تیرے غم کو جاں کی تلاش تھی

نیلم ریاست



ناول

نیلم ریاست

تیرے غم کو جاں کی تلاش تھی

تو میرا حوصلہ تو دیکھ داد تو دے کہ اب مجھے
شوق کمال بھی نہیں، خوف زوال بھی نہیں

اسکو حیرت کی زیادتی سے جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ میڈم کے منہ سے نکلنے والے الفاظ خالی الفاظ ہی نہ تھے، بلکہ لاوا تھے۔ جو اسکی ہستی، اسکی زندگی کی آج تک کی گئی محنت اور تگ ودو، ہر ایک کو جلا کر بھسم کر سکتے تھے۔

"میڈم میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو تیار ہوں، میں چور نہیں ہوں۔"

سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ طنزیہ ذرا سا پھیلے اور بڑی نزاکت سے ٹھوس لہجے میں جواب دیا گیا۔

''سنو لڑکی ہر روز ہزاروں لاکھوں کیس ملک کی مختلف عدالتوں میں پیش کیے جاتے ہیں ہر آدمی حلف اٹھا کر بیان دیتا ہے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے۔ کئی جھوٹی قسمیں کھا کر بھی کیس جیت جاتے ہیں اور کئی سچ بول کر بھی ہار جاتے ہیں۔

تم کس کو ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم چور نہیں ہو؟؟ خود کو؟؟ کیونکہ میں جانتی ہوں تم چور نہیں ہو۔ تمہارے کولیگ جانتے ہیں۔ تم چور نہیں ہو۔ پھر حلف کس کے لیے اٹھانا چاہتی ہو؟؟؟''

اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔غم وغصے سے زبان گنگ رہ گئی۔

''آپ میرے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟؟''

پر تکلف اور عالی شان آفس میں باس کی کرسی پر براجمان پکی عمر کی عورت جو اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے ہی کسی بڑے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔اس وقت آف وائٹ فارمل سوٹ پہنے گلے میں بے بی پنک سکارف ڈالے بڑی تمکنت سے بیٹھی تھی۔

''تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں مجھے دو ٹکے کے بے حیثیت لوگ بہت ہی زیادہ برے لگتے ہیں۔اصول مند ترقی کے خواہاں،مائے فٹ۔

میں نے تمہیں ایک شاندار آفر کی تھی۔دس لاکھ تم جیسی لڑکی کے لیے ایک بہت بڑی رقم ہے۔تم نے تو آج تک اپنی زندگی میں اتنے سارے پیسے ایک ساتھ دیکھے بھی نہیں ہونگے۔مگر میرا اچھا پن دیکھو میں نے ایک چھوٹے سے معمولی کام کے لیے تمہیں اتنی خطیر رقم کی آفر کی۔مگر تم نے ناشکری کا مظاہرہ کیا۔''

''یہ آفر آپ اپنے آفس میں موجود کسی اور لڑکی کو بھی تو کر سکتی تھیں،جس کو پیسے کی ضرورت ہو میں ہی کیوں؟؟''

''کسی اور لڑکی کو آفر کرتی،ضرور کرتی۔اگر کوئی اس قابل ہوتی تب۔میری نظر میں اس وقت تم سے زیادہ پر اعتماد اور نڈر لڑکی اور کوئی نہیں ہے۔جو کام میں تم سے لینا چاہتی ہوں،وہ صرف تم ہی کرو گی۔سیدھے طریقے سے نہ سہی الٹے طریقے سے کروالونگی۔''

''اگر میں نے آپ کے الٹے طریقے کو ماننے سے بھی انکار کر دیا تو؟؟''

میڈم کی شاطر آنکھوں کی روشنی بڑھی۔

''سویٹ ہارٹ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔کیونکہ میرے پاس تمہارے خلاف گواہ ہیں۔جنہوں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں میری غیر موجودگی میں میرے ٹیبل کی دراز سے دس لاکھ لیتے دیکھا ہے۔ساتھ تمہارے بنک اکاؤنٹ کی اسٹیٹمنٹ ہے۔جس کے مطابق اس وقت تمہارے اکاؤنٹ میں ساڑھے گیارہ لاکھ روپیہ موجود ہے۔تمہارا بنک مینیجر گواہی دینے کو تیار ہے۔دس لاکھ کی رقم تم نے اسی دن جمع کروائی تھی۔جس دن آفس کے

چشم دید گواہ نے تمہیں چوری کرتے دیکھا تھا۔تمہارے ہاسٹل کی دو ایک لڑکیاں عدالت میں یہ بیان دیں گی کہ تمہیں پیسے سے عشق ہے۔ زندگی میں آگے بڑھنے کے بڑے بڑے خواب ہیں۔ جن کو پورا کرنے کے لیے تم کسی حد تک جاسکتی ہو۔

اگر تم ہاں میں جواب نہ دو گی تو میں اسی وقت پولیس کو بلوا کر تمہیں پکڑوا دونگی۔ کیس عدالت میں چلے گا۔ مہنگا وکیل تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج کر ہی دم لے گا اور تب وہاں بیٹھ کر چکی پیستے ہوئے تم پچھتاؤ گی کہ اک ذرا سا کام ہی تو تھا۔کاش کر دیا ہوتا۔

مگر ہوگا کیا؟

نہ جانے کتنے مہینے یا سال جیل میں گزار کر باہر آؤ گی۔تمہارے نام کے ساتھ بد دیانتی کا دھبہ اتنا مضبوط لگ چکا ہوگا۔کوئی بلیچ بھی یہ داغ نہ دھو پائے گی۔تمہارے سارے خواب تمہارا منہ چڑا رہے ہونگے۔ہوسکتا ہے، زندگی سے تنگ آ کر تم خودکشی ہی کرلو۔''

وہ یک ٹک سرد آنکھوں سے اپنی باس کی بے رحم نگاہوں میں دیکھے گئی۔جس نے اسکی آنے والی ساری زندگی کا نقشہ کھینچ کر اسکے سامنے رکھ دیا تھا۔مزید کہہ رہی تھی۔

''یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے۔تم یہاں کھڑے کھڑے دس لاکھ کمالو۔ساتھ ہی آفس میں پرموشن، مارکیٹ میں اچھی وفادار ورکر ہونے کی شہرت، تم میری کمپنی چھوڑ کر کہیں اور بھی جاؤ گی تو میرا ریفرنس لیٹر ساتھ جائے گا۔تم میرے نام اور میرے بزنس سے بہت اچھی طرح واقف ہو، اٹس دا بیسٹ۔

اب بتاؤ جیل یا ترقی؟''

وہ کھا جانے والی نظروں سے اپنی باس کو گھور رہی تھی۔

''آج آپ زور آور ہیں، مگر یاد رکھئے گا کہ ہار ماننے والوں میں سے میں بھی نہیں ہوں۔اک دن آپ کا وار ہی آپکے منہ پر نہ مارا تو سمجھ لینا زبان والی نہیں ہوں۔''

باس اسکی بات پر ایسے ہنسی جیسے بچے کے لطیفہ سنانے پر ہنسی ہو جس نے اور اس کے اندر اور بھی آگ بھر دی

" کمینی بڈھی "

اپنی رضامندی دیکر باس کے کمرے سے کیا، آفس سے ہی نکل آئی۔

☆......☆......☆

''تم نے خود سے ساری تیاری اک نظر دیکھ لینی تھی۔ میں کوئی جھول نہیں چاہتا ہوں۔ خاص کر کھانا فرسٹ کلاس ہو۔ ڈرنکس پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ ایک دو ممالک کے سفیر پہلی دفعہ ہمارے گھر آرہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ آج ہماری مہمان نوازی دیکھ کر وہ بار بار ہمارے مہمان بننا چاہیں۔ ہماری پراڈکٹس کی رسائی انکی مارکیٹس تک ہوسکتی ہے، بہت اچھا موقع ہے۔''

''مجتبیٰ تم جانتے ہو، میرا کام کبھی کم معیار کا نہیں ہوا۔ میرے گھر کی مہمان نوازی کے لیے لوگ مرتے ہیں۔ تم بس اس بات کو یقینی بنا لینا کہ آج بھی تمہارا رائیٹ ہینڈ نشے میں دھت ہو کر محفل میں نہ آئے۔''

مجتبیٰ نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر تنقیدی نظروں سے اپنے سراپے کا جائزہ لیتی اپنی بیوی کو غور سے دیکھا۔ وہ ایک دلکش عورت تھی۔ ہرفن مولا بھی کہا جائے تو ناجائز نہ ہوگا۔

''میرے رائٹ ہینڈ میں تو بس پینے کی بری عادت ہے۔ تمہارے بیٹے نے تو باپ کا منہ کالا کرنے والا کوئی کام نہیں چھوڑا۔ ہر برا کام کر کے ورلڈ ریکارڈ بنایا ہے۔''

''مجتبیٰ میں ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں۔ وہ تمہارا بھی بیٹا ہے۔ جب اپنے بھتیجے کو سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ تب تھوڑی توجہ بیٹے پر بھی دے دیتے۔ جہاں اپنے سارے کاروبار کا انچارج اپنے بھتیجے کو بنایا تھا۔ وہاں اپنے بیٹے پر تھوڑا اعتبار کر کے کوئی ایک فیکٹری ہی اسکے انڈر کر دیتے۔''

بیوی کی بات پر مجتبیٰ نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''رو رو کر پیسے دے دلا کر اسکو ڈگری دلوائی ہے۔ دن کے ایک بجے سے پہلے وہ بیڈ نہیں چھوڑتا۔ ایک نمبر کا جواری ہے۔ اور تم چاہتی ہو میں اس کو اپنے کاروبار میں شامل کر کے اپنی سالوں کی محنت دو دن میں پھونک دیتا۔ جہاندادمرتضیٰ جیسے اختیارات پانے کے لیے تمہارے لاڈلے عدیل مجتبیٰ کو جہاندادمرتضیٰ جیسا بن کر دکھانا ہوگا۔ جو کہ وہ اس زندگی میں کیا اگلی کسی زندگی میں بھی نہیں کر سکتا۔''

طنز کا گہرا تیر فردوس بیگم کے دل میں پیوست کر کے وہ نک سک سے تیار ہو کر کمرے سے نکل گئے۔

فردوس بیگم تلملا کر رہ گئیں۔ اور ایسا تو ہر دفعہ ہوتا تھا۔ پر آج جو اگر وہ جان جاتیں کہ کچھ ایسا ہونے والا ہے۔ جو آنے والے دنوں میں اس گھر کی تاریخ بدل دے گا تو وقتی طور پر ہی سہی پر غصہ تھوک دیتیں۔

☆......☆......☆

بھٹکتا پھر رہا ہوں، جستجو بن

سراپا آرزو ہوں، آرزو بن

شام کا حسن اپنے پورے جوبن پر تھا۔ مہمان کھانا وغیرہ کھا کر اس وقت ٹولیوں کی شکل میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ گیٹ پار کر کے ایک دراز قد کی لڑکی اندر آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑے سے سوٹ کیس کا ہینڈل تھا۔ جسے وہ اپنے ساتھ گھسیٹ رہی تھی۔ گہرے سبز رنگ کی لانگ شرٹ کے ساتھ کالا دوپٹہ اور کالا ٹراؤزر پہنے سر اور چہرے کو پلو سے ڈھانپ رکھا تھا۔ پیروں میں ہرے اور سفید ٹریزز تھے۔ وہ ناک کی سیدھ پر چلتی ایک سمت میں آئی۔ کئی ایک مہمان اسکو دیکھ کر یہی سمجھے تھے۔ کہ کوئی مہمان یا رشتے دار ہوگی۔ مگر جس استحقاق کے ساتھ وہ قدم اٹھا رہی تھی۔ گھر کی خواتین کو بھی معمہ میں ڈال دیا کہ ضرور کوئی گھر والی ہی ہے۔ مگر انکے خاندان میں تو کوئی منہ نہ چھپاتا تھا۔

''اسلام علیکم سر۔۔''

عین سر پر پہنچ کر اس نے اونچی اور کلیر آواز میں سلامتی بھیجی تھی۔ وہ چونک کر مڑے۔ ظاہر ہے وہی میزبان تھے تو جواب بھی انہی کا دینا بنتا تھا۔ دوسرا وہ دیکھ بھی انہیں ہی رہی تھی۔ جب بولے تو آواز میں واضح کنفیوژن تھی۔ ''واعلیکم اسلام۔۔۔''

''کیا آپ کا ہی نام سیٹھ مجتبیٰ ہے؟؟۔''

''جی ہاں۔۔ مگر آپ کون ہیں۔؟؟''

''فکر نہ کریں میں آپ کو یہی بتانے کو حاضر ہوئی ہوں کہ میں کون ہوں۔ میرا نام عرفہ ہے۔ میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میرا یقین کریں اگر آپ میرے ساتھ میری بات سننے کو چند منٹ ایک طرف سائیڈ پر نہ گئے اور میں نے سب کے سامنے اپنی میڈیکل رپورٹ نکال کر رکھ دی تو آپکی عزت دو کوڑی کی بھی

نہیں رہے گی۔"

دوٹوک الفاظ میں اپنی بات کہہ کر اب وہ اسکا ردِ عمل دیکھ رہی تھی۔ سیٹھ مجتبیٰ کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ اک طائرانہ نگاہ اپنے ساتھ موجود ایک وزیر اور کسی ملک کے سفیر پر ڈالی پھیکی سی مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنے مہمانوں سے ایکسکیوز کرنے کے بعد اس لڑکی کو اپنے ساتھ آنے کا بول کر آگے بڑھ گئے۔ وہ بھی ہر طرف سے اٹھنے والی سوالیہ نظروں سے بے نیاز ان کے ساتھ چل دی۔

ڈرائینگ روم کا دروازہ پار کرتے ہی اس نے اپنا سوٹ کیس اطمینان سے ایک طرف رکھا ہی تھا۔ جب مجتبیٰ صاحب نے سرد آواز میں پوچھا۔

"کیا تم عدیل کی جاننے والی ہو؟؟"

"میں یہ نہیں جانتی کہ عدیل کون ہے اور میں آپ کے خاندان میں سے کسی کی بھی جاننے والی نہیں ہوں، ہاں آپکے ایک بیٹے کے ہاتھوں برباد ضرور ہوئی ہوں۔"

"کس کی بات کر رہی ہو؟؟"

"میں جہانداد مرتضٰی کی بات کر رہی ہوں۔ جس شخص نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔ پہلے اپنے دفتر میں کام دیا پھر اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔"

"تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ میرا جہانداد کبھی کسی عورت کی عصمت پر ہاتھ تو دور کی بات گندی نظر بھی نہیں ڈال سکتا۔ اول تو میں ایسے کسی الزام کو مانتا ہی نہیں ہوں، میں ایک کروڑ پتی آدمی ہوں۔ کوئی بھی دو ٹکے کی عورت ہمیں پیسے کے لالچ کے لیے بلیک میل کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ اب تم یہاں میرے گھر میں آ کر میرے بیٹے پر الزام لگاؤ گی تو کیا میں اتنا بے وقوف ہوں کہ فوراً مان جاؤنگا؟؟"

"نہیں سر آپکا کروڑ پتی ہونا ہی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ بیوقوف ہرگز نہیں ہیں۔ مگر بیوقوف میں بھی نہیں ہوں کہ اتنے اثر و رسوخ والے آدمی کے گھر میں اپنا مقدمہ لڑنے خود چل کر آ جاؤں۔ آپ میری کسی بات پر یقین نہ کریں۔"

اس نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر کچھ کاغذات نکال کر انکی۔ طرف بڑھا دیے۔

''آپ کے بیٹے کی وجہ سے میرے ماں باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میری شادی ہونے والی تھی۔ وہ رشتہ ہی ختم ہوگیا کیونکہ اب کوئی بھی دو دن ایک شرابی کے ظلم سہہ کر رہا ہونے والی لڑکی سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ماں باپ کے لیے کالک کا باعث ہوں، انہوں نے جینا مرنا ختم کر دیا، نہ اس وقت میرے پاس کوئی گھر ہے نہ کوئی رشتہ اور یہ سب جہانداد مرتضٰی کی وجہ سے ہوا ہے۔''

ان کے ہاتھوں میں اس لڑکی کی میڈیکل رپورٹ تھی۔ ساتھ میں اسکی اور جہانداد کی بے شمار تصویریں جوں جوں وہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں کی لالی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''میں یہاں پر آنے سے پہلے دو پرائیویٹ چینلز کے صحافیوں کے علاوہ اس ملک کی مایہ ناز انجیو کو اپنا بیان دیکر آئی ہوں۔ اخبار میں کل میرا فیچر چھپ جائے گا۔ اور یہ سب مجھے آج اور ابھی انصاف نہ ملنے کی صورت میں ہوگا۔ کیونکہ اور تو میرا کوئی ٹھکانہ ہے نہیں۔ یا میرا اپنے بیٹے سے نکاح کروا کر مجھے دوبارہ سے اس معاشرے کا عزت دار شہری بنائیں۔ بصورت دیگر میں یا تو خودکشی کرنے کے بعد آپ لوگوں کو میڈیا اور انجیوز کے حوالے کر جاؤنگی۔ یا پھر خود عدالت میں جا کر کیس لڑونگی اور ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤنگی کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ آپکی چار فیکٹریاں ہیں۔ چاروں کی چاروں جہانداد کے زیرِ نگرانی چل رہی ہیں۔ اور جس ایک فیکٹری میں وہ خود بیٹھتا ہے۔ وہاں مرد گنتی کے ہیں باقی سب عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ وہ مردوں کی بجائے عورتوں کو کام۔ دینے کو ترجیح دیتا ہے۔ سوچ لیں مجتبٰی صاحب بدنامی کا گراف بہت اوپر جائے گا۔ میرے پاس تو کھونے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپکے پاس بچے گا نہیں۔''

''کتنے پیسے چاہتی ہو؟ ؟ ایک کروڑ تین یا پانچ ؟''

''میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ جسکا سودا لگا کر خرید لیں گے۔ آج یا تو نکاح ہوگا۔ یا پھر کل دن چڑھنے سے پہلے آپکے خاندان کی عزت کا جنازہ نکلے گا۔''

فردوس بیگم کے علاوہ عدیل اور اسکی بہنوں کی نظریں بھی گلاس وال کے دوسری جانب کھڑے اپنے باپ اور اس نقاب پوش پر لگی تھیں۔ دس منٹ گزر گئے۔ مگر اندر جاری مذاکرہ ابھی تک ختم نہ ہوا۔

پانچ منٹ مزید گزرے۔ مجتبٰی نے جیب میں سے فون نکال کر ایک نمبر ملانے کے بعد کان سے لگایا۔ کچھ

کہنے کے بعد فون رکھ دیا۔اب وہ صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔ چہرے پر ایسا کوئی تاثر نظر نہ آیا جس سے انکی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا۔ مزید دس منٹ گزرے۔ کمرے میں دو اور کرداروں کا اضافہ ہوا۔ساتھ ہی کسی نے کھینچ کر پردے برابر کر دیئے۔سائیلنس شو ختم ہو گیا۔فردوس کا دھیان بھی واپس مہمانوں کی جانب چلا گیا۔

☆......☆......☆

آج میں خود سے ہو گیا مایوس

آج اک یار مر گیا میرا

وہ بڑے اچھے موڈ میں کسی مہمان کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ جب رفاقت نے آ کر کان کے قریب سرگوشی کی وہ جواب میں سر ہلا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ساتھی سے معذرت کی اور اپنی مخصوص پر وقار چال چلتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

دروازے پر ناک کر کے اجازت طلب کی دوسری جانب سے اثبات میں جواب ملنے پر ناب پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں پہلے سے تین مرد اور ایک لڑکی موجود تھے۔ مگر جب وہ رفاقت کے ہمراہ اندر آیا تو عرفہ کو انتہائی کشادہ ڈرائینگ روم تنگ لگنے لگا۔ فیصلہ اب ہونا تھا۔ تخت یا تختہ۔۔۔!!۔۔

''چاچو آپ نے بلایا؟؟''

مجتبیٰ نے نہ اسے جواب دیا نہ سر اٹھا کر دیکھا۔ بلکہ کسی اور کو مخاطب کر کے بولے۔

''مولوی صاحب نکاح شروع کریں۔لڑکی کا نام عرفہ لڑکے کا نام جہانداد مرتضیٰ عمر انتیس سال حق مہر ایک کروڑ۔۔۔''

اسکے بعد اسے حکم دینے کے لہجے میں بولے۔

''بیٹھ جاؤ جہانداد۔۔۔''

''مولوی صاحب لڑکی کے وکیل کی جگہ فارم پر میرا نام لکھئے گا۔سیٹھ مجتبیٰ مراد''

جہانداد نے سوالیہ نظروں سے رفاقت کی جانب دیکھا۔جس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا۔اسکے

بعد اس نے غور سے لاتعلق نظر آتے اپنے باپ کی جانب دیکھا۔ جن کے چہرے پر کوئی فیصلہ کر کے عمل پیرا کرنے والی سختی تھی۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ مولوی نے نکاح پڑھوا دیا۔ دونوں فریقین نے قبول کر لیا۔ سائن ہو گئے۔ لڑکے کو مبارکباد دی گئی۔ مولوی صاحب کو دوسرے کمرے میں بیٹھا کر جو کھانا پیش کیا گیا۔ وہ ان کھانوں کے ناموں سے بھی ناواقف تھے۔ مگر بسم اللہ کر کے ٹوٹ پڑے۔

رفاقت کے لیے اگلا حکم مجتبیٰ کی جانب سے ہی آیا۔

''رفاقت عرفہ جہانداد صاحبہ کا سامان اٹھاؤ اور اسکو جہانداد کے گھر چھوڑ کر آؤ''

رفاقت نے سوالیہ نظروں سے جہانداد کو دیکھا۔ جسکی نظریں اپنے چچا کے چہرے پر لگی ہوئیں تھیں۔ اس نے فقط ہاتھ کے اشارے سے رفاقت کو جانے کی اجازت دی۔ جو کہ جی سر کہتا ہوا عرفہ کے سامان کی جانب بڑھ گیا۔

''جاؤ بیٹی مجھے امید ہے کہ تم اب اپنا سارا غم و غصہ تھوک کر نئی زندگی شروع کرو گی۔ رفاقت تمہیں۔ تمہارے اصل گھر لیکر جا رہا ہے۔''

وہ کچھ بھی کہے بغیر کھڑی ہوئی۔ کسی کی بھی جانب دیکھے بغیر رفاقت کی سنگت میں وہاں سے چلی گئی۔

''تم سے میں مہمانوں کے چلے جانے کے بعد بات کروں گا۔ ابھی اپنا یہ سامان سنبھالو۔۔''

انہوں نے غصے کے ساتھ بنا اسکی جانب دیکھے نکاح نامہ' میڈیکل رپورٹ اور تصویریں اسکی گود میں پھینک دیں۔ خود باہر کی جانب بڑھ گئے۔ سب سے اوپر نکاح نامہ تھا۔ جسے اک نظر دیکھنے کے بعد اس نے وہیں میز پر ڈال دیا۔ اور چچا کی پیروی میں واپس باہر آ گیا۔

باقی کا وقت اس نے باتیں کیں کم مگر سنیں زیادہ ساتھ میں پیگ پہ پیگ اندر پھینکا۔ کوئی اور ہوتا تو کب کا لڑھک گیا ہوتا۔ مگر وہ کوئی اور تھوڑی تھا۔ وہ جہانداد تھا۔ جہانداد مرتضیٰ۔۔۔!!۔۔

مہمانوں کے جانے کے بعد فردوس کے ہاتھ وہ تصویریں لگی تھیں۔ نکاح نامہ اور میڈیکل رپورٹ وہاں سے غائب تھی۔ جن کی بنا پر انہوں نے اپنے بچوں' چند ایک قریبی رشتہ داروں کے علاوہ گھر کے نوکروں کے سامنے ہی عدالت لگا دی۔

''گندہ خون آخر گندہ ہی نکلا ناں۔۔۔!! میرے بیٹے کو اسکے اعلیٰ کردار کی مثالیں دے دیکر تم نے ساری زندگی ہم سب کا جینا حرام کیے رکھا۔ آج دیکھ لی تم نے اپنے بھتیجے کی اصلیت۔ جب میں سچ کہتی تھی تو تمھیں اور تمھاری ماں کو بڑا برا لگتا تھا۔ آج دیکھ لیا ناں اس ناگ نے ثابت کر دیا کہ اس کی رگوں میں ایک حرافہ عورت کا خون دوڑ رہا ہے۔ بڑا نیک نام بنا پھرتا تھا۔ آج اسکی ساری نیک نامی سامنے آگئی۔ کوئی جھوٹ اور دھوکے بازی کے پیچھے کب تک چھپا رہ سکتا ہے۔''۔

وہ اونچی آواز میں بولے چلی جا رہی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑی تصویریں ایک ایک کر کے سبھی کے ہاتھوں میں گھوم رہی تھیں۔ ہر کوئی جائزہ لے رہا تھا۔ سوائے اسکے جو بذاتِ خود تصویروں میں موجود تھا۔

ثانیہ مجتبیٰ نے اپنے اوپر کمال ضبط رکھ کر اپنے بالکل سامنے بیٹھے جہانداد کی جانب دیکھا۔ سیاہ ڈنر سوٹ ڈیپ ریڈ ٹائی۔ پلاٹینم کے کف لنکس کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ کیونکہ وہ اس نے خود جہانداد کے لیے خریدے تھے۔ سر کے آدھے بالوں کو سیدھا کر کے پیچھے کر پونی لگائی ہوئی تھی۔ کالی ہی جرابیں' کالے نوک دار جوتے جن پر ہلکی سی بھی گرد نہ تھی۔ صوفے پر ڈھیلے سے انداز میں پیچھے کو ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ نظریں سامنے کارپٹ کے ڈیزائن پر جمی ہوئیں تھی۔ وہاں سے ہٹتیں تو سیٹھ مجتبیٰ کے چہرے پر رک جاتیں۔ کئی سوال زبان کی نوک پر لیے وہ اس وقت بس سن رہا تھا۔ پر وجہ سمجھ میں آنے سے قاصر تھی۔ وہ سیٹھ مجتبیٰ سے بہت سے سوال پوچھنا چاہتا تھا۔ پر وہ موقعہ دیتے تو تب تھا ناں۔

جبکہ فردوس ساری بھڑاس نکال رہی تھیں۔

''آج سے تیس سال پہلے اسکے باپ نے بھی یونہی جا کر بے نام ونشان کی لڑکی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بڑے اعلیٰ خاندان کی نسب والی عورت کے ساتھ بیاہ رچایا تھا۔ جسکے ایک وقت میں نہ جانے کتنے یار ہوتے ہیں۔ تب ہی اگر ابا جی مرحوم نے سختی سے اپنے بیٹے کو عاق کر دیا ہوتا جب وہ ایک طوائف زادی سے شادی رچا کر آیا تھا۔ تو آج ایک دفعہ پھر ہمیں یہ رسوائی نہ سہنی پڑتی۔ اب بھی میں تم کو کہہ رہی ہوں مجتبیٰ یہ لڑکا اب کبھی مجھے اپنے گھر میں نظر نہ آئے۔ میری جوان بیٹیاں ہیں۔ اگر یہ باہر منہ مار سکتا ہے تو اندر کا کیا بھروسہ۔۔۔۔۔۔''

''بس چچی بس۔۔۔۔!!اسکے آگے ایک لفظ نہیں۔''

ایک دھاڑ کے آگے سب خاموشی چھا گئی۔فردوس نے ایک نفرت بھری نظر ڈالی اور اپنے بچوں کو وہاں سے ہٹا کر ٹپ ٹپ کرتی سے چلی گئیں۔ویسے بھی انکا مقصد پورا ہو چکا تھا۔جہاندادمرتضی۔۔مجتبی اور ثانیہ دونوں کی ہی نظروں میں گر چکا تھا۔

''چچا میں نہیں جانتا ہوں۔اصل وجہ کیا ہے۔مگر یہ نکاح میں نے آپکا حکم سمجھ کر قبول کیا ہے۔آج کی مہمان نوازی کا شکریہ،اب اجازت دیں۔''

صوفے سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کو نکل گیا۔رفاقت کو اشارہ کر دیا تھا۔کہ ساری تصویریں اکٹھی کر لاؤ۔

☆......☆......☆

میں بھی بہت عجیب ہوں' اتنا عجیب ہوں کہ بس
خود کو تباہ کر لیا' اور کوئی ملال بھی نہیں

رفاقت نامی آدمی اسے ایک عالی شان گھر سے لا کر دوسرے محل سرا میں چھوڑ گیا تھا۔وہاں موجود بزرگ ملازمہ کو تنہائی میں کچھ سمجھایا اور واپس چلا گیا۔چہرے کا نقاب تو وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی ہٹا چکی تھی۔مگر چند گھنٹے جو پریشانی و بے بسی اسکے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔اب اسکا شائبہ تک نہ تھا۔اب وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔نکاح ہو چکا تھا۔اب کیسے گھر سے نکالے گا؟؟ آگے جو ہوگا دیکھا جائیگا۔ابھی وہ صرف پرسکون ہونا چاہتی تھی۔پچھلے کچھ دنوں سے سوچ سوچ کر جو دماغ کا دہی بنا ہوا تھا۔پہلے اسکو سیٹ کرنا تھا۔

ملازمہ اسکو ایک بیڈروم تک لائی۔ڈارک گرے اور سلور رنگ میں کمرہ سجا ہوا تھا۔کمرے میں نہ کوئی پھول تھا۔نہ کوئی شوخ رنگ پینٹنگ وغیرہ۔عجیب گھٹن زدہ لگا۔

''یہ کس کا کمرہ ہے؟؟''

''بی بی جی یہ جہانداد صاحب کا کمرہ ہے۔میرا مطلب ہے کہ آپکا۔۔''

''ارے نہیں یہاں تو قدم رکھتے ہی مجھے ڈپریشن ہو رہا ہے۔کوئی اور کمرہ دکھاؤ ادھر میں اک پل نہیں رکوں

گی۔'' وہ الٹے قدموں باہر آئی۔

اگلا جو کمرہ دکھایا گیا۔ ویسے تو اسے پسند آیا۔ مگر اس کے اندر اپنا باتھ نہیں تھا۔

''اگر رات میں باتھ کی ضرورت پڑ گئی تو کیا اتنے بڑے گھر میں باتھ ڈھونڈنے نکلوں گی۔؟؟ بھئی کوئی ڈھنگ کا کمرہ دکھاؤ، جسکا اپنا باتھ ہو کھلا ہوادار، رنگوں والا۔۔''

مائی ثریا نے ایک ایک کر کے چار کمرے دکھا دیئے۔ تب کہیں جا کر ایک اسکی ضروریات کیمطابق پسند آیا۔ مگر یہ الگ بات کہ شوہر کا کمرہ نیچے رہ گیا اور اسکو جو کمرہ پسند آیا وہ اوپری منزل پر تھا۔

''شکر ہے امریکہ کے سائز پر بنے گھر میں آخر کوئی کمرہ تو انسانوں کے رہنے کے قابل بھی ہے۔ اچھا بھئی آپکا کیا نام ہے؟؟۔''

''بی بی جی نام ثریا ہے پر سارے مائی مائی ہی کہتے ہیں۔''

''اچھا مائی ثریا۔۔ ذرا کسی کو کہہ کر میرا سامان اس کمرے میں پہنچا دو۔''

''جی بی بی ابھی کہہ دیتی ہوں۔''

''آج کھانے میں کیا بنا ہے؟؟ دیکھو پلیز دال یا سبزی کا نام بھی مت لینا میس میں یہ چیزیں کھا کھا کر گوڈے گوڈے تنگ آ چکی ہوں۔ اور آج تو ویسے بھی میری شادی ہوئی ہے۔ کینڈل لائیٹ ڈنر نہیں تو نہ سہی مرغ مسلم تو ملنا چاہیے آخر بچی کا زندگی پر اتنا تو حق ہے ہی۔۔۔!!''

وہ کمرے میں چاروں اور گھوم کر جائزہ لینے کے دوران مسلسل بول رہی تھی۔ اور مائی ثریا حیران پہ حیران ہوئے جا رہی تھی۔

''اچھا بی بی۔۔ ابھی لاتی ہوں۔''

جاتی ہوئی مائی ثریا کو پھر روکا۔

''سنو اس گھر میں کون کون رہتا ہے۔''

''بس مالک اور نوکر ہی جی۔ صاحب بھی بس رات کو سونے کے لیے آتے ہیں۔ باقی کا سارا وقت تو ادھر نوکری ہوتے ہیں۔''

''کیوں کیا اسکے اور بہن بھائی نہیں ہیں؟؟''

''صاحب جی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں۔انکے ماں باپ کو بھی دنیا سے گئے عرصہ گزر گیا۔دادی تھیں مگر انکا بھی دو سال قبل انتقال ہو گیا۔''

''اچھا بھئی اب بس کرو سارا شجرہ نصب گنوا کر دم لو گی کیا۔مجھے سمجھ آ گئی ہے۔بچارہ تنہا مسافر گھومتا ہے دنیا میں مارا مارا۔۔اور یہ رفاقت کون ہے؟؟''

''رفاقت جہانداد صاحب کا خاص آدمی ہے۔''

''اوہ خاص آدمی۔۔۔۔۔!!''اس نے ایک ہاتھ اپنی ٹھوڑی پر اور دوسرا کمر پر لٹکا کر آنکھیں سکیڑ کر مائی ثریا کو دیکھا۔جو بچاری سمجھ نہ پا رہی تھی۔کس بلا سے پالا پڑ گیا ہے۔

''جہانداد کا خاص آدمی ہے،تو اسکی بیوی کا بھی خاص آدمی لگا۔''

پھر خود ہی دونوں ہاتھ کی تالی مار کر قہقہ لگا کر بولی۔

''واہ کسی انڈر ورلڈ ڈون کا حوالہ لگتا ہے،عرفہ کا خاص آدمی۔''

ہاتھ نچا کر خود کو داد دی پھر مائی سے مخاطب ہوئی۔

''جا کر جہانداد کے اس خاص آدمی کو میرے پاس بھیجو۔بولو بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔''

''وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے جی۔صاحب جی کے ساتھ ہی واپس آئے گا۔''

''چلو جب بھی آئے اسکو کہنا میری بات سنے بغیر سونے کے لیے نہ جائے۔اب جا کر جلدی سے کھانا لے آؤ یا بے ہوش کرواؤ گی؟"

''جی ابھی لائی۔۔''

مائی کے جانے کی دیر تھی۔اس نے ایک پٹوسی ماری بیڈ پر چڑھ کر لگی جمپ لگانے۔بیڈ پر اونچا اونچا کودتے ہوئے خوشی سے چیخیں مار رہی تھی۔پھر بولی۔

''واہ میرے مولا تیری شان کیسا اندھا کیا تو نے اس آدمی کو کہ اس نے ایک لڑکی کی دکھی داستان سنتے ہی اپنے بیٹے کی بلی چڑھا دی۔''

اسکے آگے ٹھا ٹھا کر کے اونچے اونچے قہقہے لگانے لگی۔ اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ پہ ہاتھ مارا اور وہیں بیڈ پر چت لیٹ گئی۔

"کہاں کل سر سے پرائی چھت بھی چھن گئی۔ اور کہاں آج تو نے مجھے یہ اتنا بڑا گھر دے دیا۔ نوکروں کی فوج۔ واہ اوہ سائیاں تیری قدرت چچا گھامڑ تھا۔ بھتیجا اس سے بڑا گھامڑ نکلا۔ الو کے پٹھے۔۔۔۔۔!!۔۔"

اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی جانب سے اجازت ملتے ہی۔ ایک ملازمہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتی اندر آئی۔ دوسرا ملازم ایک مرد تھا۔ جس نے اسکا سوٹ کیس تھام رکھا تھا۔ سوٹ کیس والا تو سامان رکھتے ہی واپس ہولیا۔ دوسری نے کھانا میز کے قریب رکھا۔ اور مڑ کر بولی،

"بیگم صاحبہ کھانا بالکل گرم اور تازہ ہے۔ آپکو کسی اور چیز کی ضرورت ہو۔ تو فون پر بتا دینا جی میں لے آؤنگی۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔"

اس نے ملازمہ کو ٹرخایا۔ جس کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے قریب آئی۔ کھول کر سامنے ہی رکھا۔ سفید کرتا اور سرخ گھیر دار ٹراوزر نکال کر سیدھا واش روم کا رخ کیا۔ دروازہ کھول کر بتی جلائی ہی تھی۔ کہ لب ستائیش کے انداز میں پھیلے۔

"واہ بھئی کیا ٹھاٹھ ہیں۔ اب تو مجھے یقین آ گیا ہے۔ جس کسی نے بھی یہ کہا ہے کہ خدا جب بھی دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اپنی اس سڑے منہ والی وارڈن کو لا کر یہاں کھڑا کرونگی کہ بھوتنی یہ دیکھ اسکو کہتے ہیں۔ فائیو سٹار باتھ روم۔۔۔۔!!! بھئی آج تو شکرانے کے نفل پکے۔۔۔"

پورے دو گھنٹے بعد وہ فائیو سٹار باتھ روم سے ناچتے برآمد ہوئی۔

☆......☆......☆

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے

روز ایک چیز ٹوٹ جاتی ہے

گاڑی کے ٹائیر سیاہ تارکول پر بڑے آرام سے گھومتے جا رہے تھے۔ گاڑی کے شیشے کالے ہونے کی وجہ

سے اندر بیٹھا شخص باہر سے نظر نہیں آتا مگر اندر والا باہر سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔ یہ بالکل اسکے جسم اور دل کا عالم تھا۔ جو کچھ اس کے دل و روح میں تھا۔ آج تک کس کو نظر آیا تھا۔؟ یا یوں کہہ لیں۔ کہ اس نے کس کو دیکھنے دیا۔ اس نے بھی اپنی ذات پر کالے شیشے لگا رکھے تھے۔

رفاقت گاڑی چلا رہا تھا۔ اور وہ فرنٹ پسینجر سیٹ کے بالکل پچھلی سیٹ پر بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنے فون کے ذریعے کسی انٹرنیشنل بزنس مین کا آرٹیکل پڑھ رہا تھا۔ جو کہ اس بزنس مین نے امریکہ کے ایک میگزین کی فرمائش پر لکھا تھا۔ مگر ذہن میں چونکہ اور بھی کئی خیال آ اور جا رہے تھے۔ اسلئے زبان میں حرکت ہوئی۔

''تم نے کچھ جاننے کی کوشش کی کہ وہ لڑکی کون ہے؟؟ اور چچا سے اس نے کیا بولا تھا؟؟''

''سر ابھی یہ نہیں پتا چلا کہ کون ہیں۔ مگر۔۔۔۔۔''

رفاقت کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آئے۔

''رفاقت کیا اب میں پہیلیاں بوجھوں؟؟''

''سر وہ آپکے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔''

اب کی بار وہ صرف اس قدر چونکا تھا کہ اک لمحے کو سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

''اوہ یہ بات۔۔۔۔۔۔!! کب آ رہا ہے بچہ؟؟''

نظریں دوبارہ فون سکرین پر تھیں۔ جبکہ رفاقت کی آنکھیں گاہے بگاہے بیک ویو مرر کی جانب اٹھتیں جھکتیں۔

''سر میں نے رپورٹ زیادہ غور سے نہیں پڑی۔''

''کمال کرتے ہو یار رفاقت میرے بچے کے آنے کی تمہیں اتنی بھی خوشی نہیں کہ رپورٹ ہی غور سے پڑھ لیتے۔''

رفاقت کے لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو کر غائب ہوئی۔

''سوری سر غلطی ہو گئی۔''

''اب سوری بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ ویسے کیا وہ ڈاکٹر کی رپورٹ لائی تھی۔ یا کہ بچے کی ڈی این اے

رپورٹ؟؟ مجھے پرسنلی لگتا ہے۔ ہو نہ ہو ڈی این اے ہی تھی۔ جو چچا جیسے عقل وشعور رکھنے والے انسان نے اوئن واسپاٹ ایکشن لیا ہے۔ پر یار اگر ڈی این اے کی مثبت رپورٹ بھی ہو تب بھی سائنس نے ابھی اتنی ترقی تو نہیں کی کہ اَن بورن بچے کے ڈی این اے کا پتا لگالیں۔ چلو ماں کے پیٹ میں کوئی لمبی سی سوئی بھیج کر بچے کے خون کا اک قطرہ حاصل کرلیں۔ جو کہ ظلم ہے۔ بچے کی جان بھی جا سکتی ہے۔ تب بھی ان لوگوں کا اخلاقی فرض تو بنتا تھا ناں کہ باپ کا سیمپل بھی لیتے۔ باپ کو پوچھا ہی نہیں۔''

سنجیدہ چہرے سے کی گئی اسکی ساری گفتگو کے دوران رفاقت مسلسل مسکرانے پر مجبور پھر یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''سر میرا خیال ہے۔ آج آپ گھر پر نہ جائیں کسی ہوٹل میں کمرہ بک کروا دیتا ہوں۔ جب تک میں ساری انویسٹی گیشن نہ کرلوں۔ آپ اپنا قیام ادھر ہی رکھیں۔''

''یعنی دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہ رہے ہو مجھے اس چھٹانک بھر کی لڑکی سے ڈر کے بھاگ جانا چاہیے۔ اپنی بات پر غور کرو کہہ کیا رہے ہو۔''

''سر بات اس لڑکی کی نہیں ہے۔ بات اس لڑکی کی پشت پناہی کرنے والے کی ہے۔ مجھے پورا شک ہے کہ یہ سب فردوس بیگم نے کروایا ہے۔''

''اس عورت کا ذکر کم از کم آج کی رات میرے سامنے نہ ہی کرو۔ تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔ اور دوسرا زیادہ فکریں پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھلا وہ لڑکی اپنے بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم تھوڑی کرے گی۔''

''سر، مریں آپ کے دشمن آئندہ ایسی بات مذاق میں بھی مت کیجیے گا۔''

''واہ بھئی کبھی کبھار تو تم ایموشنل ہونے کی حد ہی کر دیتے ہو۔ یار دشمن مر جائیں، تو ہم نے کیا آبِ حیات پیا ہوا ہے۔ ہم نے بھی ایک دن مرنا ہی مرنا ہے رفاقت صاحب سدا ادھر نہیں بیٹھے رہنا۔ پرانے پنجابی فوک کے سردار عالم لوہار نے کیا خوب گایا ہے کہ

اِک دن اساں پردیسیاں وی ٹر جاناں

کنڈا مار کے ایہناں حویلیاں دا۔۔۔

چھڈ یار عالم تیرا دنیا تے کم کی

اوی تے ٹر گیا جدے دم نال دم سی

رفاقت جی ادھر حویلی سے مراد ہمارا جسم ہے۔اور پردیسی ہماری روح جس نے ایک دن اس مکان کو تالا مار کر یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔اور پھر کہتے ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے میرے کئی پیارے چلے گئے۔ایسے ایسے لوگ چلے گئے کہ جن کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے۔تو ان سب سے دور ہماری بھی کیا زندگی ہمیں بھی اک دن آخر کار انہی کے پاس جانا ہے۔یہی زندگی کی حقیقت ہے۔"

رفاقت نے مزید کوئی بحث نہ کی بلکہ جی ہی جی میں شکر ادا کیا کہ گھر قریب آ گیا تھا۔اس نے ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھایا تو جہانداد کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔دو منٹ بعد گاڑی پورچ میں تھی۔

جہانداد رفاقت سے پہلے گاڑی سے باہر تھا۔جب تک وہ اندرونی دروازے تک پہنچا رفاقت لمبے قدم اٹھاتا اس تک پہنچ گیا تھا۔

مائی ثریا ہمیشہ کی طرح آج بھی دونوں کے انتظار میں وہیں موجود تھیں۔

"اسلام علیکم مائی ٹھیک ٹھاک ہو؟؟"

اپنے کمرے کی جانب بڑھتے قدم حسب معمول رکے۔

"جی صاحب میں چنگی بھلی ہوں۔آپکی مہربانی ہے۔ورنہ خدا جانے کہاں دھکے کھا رہی ہوتی۔"

جہانداد نے اک ناراض نظر رفاقت اور اسکے بعد مائی ثریا پر ڈالی۔وہ کچھ شرمندہ نظر آئیں۔

"جہانداد کی دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔وہ مڑ کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"مائی کھانا کھا چکا ہوں۔اور پلیز یہ شرمندہ نظر آ کر مجھے ٹارچر نہ کیا کرو۔"

"اس سے پہلے کہ وہ اپنے دروازے کے پیچھے بند ہوتا۔مائی نے جلدی سے اصل مسئلہ آگے رکھ دیا۔

"وہ صاحب جی بیگم صاحبہ نے بولا تھا۔جب رفاقت آئے اسکو میرے پاس بھیجو۔۔"

اس کے قدم تھمے،وہ مڑا۔

''کونسی بیگم صاحبہ؟؟''

بولا تو آنکھیں کنفیوژن میں سکڑیں ہوئی تھیں۔

رفاقت بھی اپنا نام سن کر چونکا تھا۔اب برے برے منہ بناتا جہانداد کی جانب کبھی مائی ثریا کو دیکھ رہا تھا۔

جہانداد کے سوال پر مائی ثریا نے رفاقت پر نظر ڈالی پھر بولیں۔

''وہ عرفہ بی بی نے جی۔۔۔آپکی دلہن نے۔''

اپنے مخصوص دلکش انداز میں ہنستا چلا گیا۔''میری دلہن۔۔یہ بھی اچھی رہی۔کہیں وہ میرے کمرے میں تو نہیں گھسی بیٹھی؟۔''

جتنے قدم اٹھا کر آگے گیا تھا۔اب واپس پھر مائی کے قریب آ گیا۔

''نہیں جی انہیں یہ کمرہ پسند نہیں آیا تھا۔کہنے لگیں عجیب ڈپریشن چھلکتا ہے۔''

وہ واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے رفاقت سے مخاطب ہوا۔

''چلو بھئی سنو جا کر اپنی بیگم صاحبہ کے فرمان۔''

رفاقت نے بند ہوتے دروازے کو بے بسی سے دیکھا، پھر مائی کو۔

''میں اس وقت کسی کے کمرے میں نہیں جا رہا ہوں، بتا دو جا کر بیگم صاحبہ کو صبح ملونگا۔''

''وہ کونسا اپنے کمرے میں ہیں۔اوپر ہال میں ٹی وی دیکھ رہی ہیں۔بڑی تاکید کر رکھی ہے انہوں نے کے رفاقت میری بات سنے بغیر سونے کو نہ جائے۔ویسے یہ سیٹھ صاحب نے صاحب جی کی شادی یوں آنا فانا کیوں کردی ہے۔وہ تو کہیں سے بھی پہلے دن کی دلہن نہیں لگ رہی ہیں۔اپنے صاحب جی ویسے خوش لگ رہے ہیں۔''

''ہاں اچھے ایکٹر ہیں اور مائی ہمیں کیا کیسے کب کس طرح شادیاں کرتے ہیں۔بڑے لوگ ہیں۔ان کی بڑی باتیں ہیں۔تمہارے ہمارے گھر کی شادیوں جیسے تھوڑی ہے دس مہینے پہلے سے بازاروں کے چکر اور پھر جا بھی سارا سارا گاؤں رہا ہے۔دو مہینے تو رشتہ داروں کو منانے میں نکل جاتے ہیں۔تم ایک کپ اچھی سی کافی صاحب کو بھیجو جب تک میں بیگم صاحب کی بات سن کر آتا ہوں۔''

مائی کو ادھر چھوڑ کر رفاقت سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

ہم تو آئے تھے عرضِ مطلب کو

اور وہ احترام کر رہے ہیں۔

وہ جو نرم صوفے میں پوری طرح دھنسی بیٹھی۔

ہاتھ میں تھامی آئس کریم کا بڑا سا پیالہ مووی دیکھنے کے دوران تقریباً ختم ہی کر چکی تھی۔ سیڑھیوں پر اچانک جاگنے والی دھمک نے سارا سین سیکنڈوں میں بدلا۔ چھلانگ مار کر زبردستی صوفے سے اٹھی جو اسکو نگلنے کے پروگرام میں لگتا تھا۔ پیالہ میز پر پٹخا۔ دونوں کانچوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ جلدی جلدی میں اپنے بکھرے چھائے مطلب زلفوں کو آستین سے چمٹے کیچر میں قید کر کے گلے میں سکارف از راہ تکلف ڈال لیا۔ اب تک آنے والی ہستی آخری سیڑھی پر کھڑی تشریف لا چکی تھی۔

بیگم صاحبہ نے ٹی وی آف کیا اور رفاقت کو مخاطب کیا۔

''آؤ آؤ رفاقت بیٹھو چند ایک ضروری باتیں سن لو۔ پہلے ہی تمہارے انتظار میں مجھے اس قدر دیر تک جاگنا پڑا۔''

''معذرت چاہتا ہوں جی، پر، خیر فرمایئے کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

رفاقت دہلیز کے قریب ہی کھڑا ہو گیا، آگے نہیں آیا۔ عرفہ نے اس چیز کو چونکے پسند کیا، اس لیے خیر سگالی سے بولنے لگی۔

''رفاقت میں جو کچھ کہوں سب کچھ من و عن ویسا ہی ہونا چاہیے۔''

''فرمایئے بیگم صاحبہ''۔

''کل کا دن خالی ہے تمہارے پاس انتظام مکمل کرنے کے لیے، اس شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں مسٹر اور مسز جہانداد کے ولیمے کے لیے ہزار بندے کا انتظام کرواؤ۔ مجھے یہ نہیں سننا کہ اتنی ایمرجنسی کی بیس پر جگہ نہیں ملتی یہ نہیں ہو سکتا، وہ نہیں ہو سکے گا۔ کوئی ایکسکیوز نہ سنانا۔ اگر ہال نہیں ملتا تو اس گھر کو ہی سجا لینا۔ کھانا ایسا ہو کہ جو

منہ ٹیڑھا کر کرامیر زادیاں اپنے فنکشنز کی تعریفیں کرتی ہیں ناں ادھر کھانے کی خوشبو سونگھ کر ہی انکو مرگی پڑ جائے اور دیکھو دہی بھلے' گول گپے خاص شامل ہوں۔ بچوں کی انٹرٹینمنٹ کے لیے لاجواب ڈیٹیل ہو۔ جسے جو بچہ آئے ساری عمر یاد رکھے۔ میرے سب مہمانانِ گرامی کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے۔"

"دوسرا میرے شوہر کو جا کر یہ پیغام دے دو کہ مجھے صبح ہر حال میں اپنا حق مہر چاہیے۔ اگر وہ ولیمے کا خرچہ نہ اٹھائے تو تم میرے مہر کی رقم سے سارا خرچ دیکھ لینا۔ باقی رہ گئے انویٹیشن تو وہ میں خود دیکھ لونگی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

رفاقت سر اثبات میں ہلا کر مڑنے لگا تو بولی۔

"سنو یہ جو آدمی ہے۔ جہانداد مرتضیٰ اسکی تازہ ترین گرل فرینڈ کون ہے؟ نام کیا ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ کچھ اندازہ ہو؟؟"

رفاقت نے ہتھیلیاں اوپر کو اٹھا کر کندھے اچکائے۔

"میم یہاں نہ تازہ ترین ہے نہ باسی ترین۔ بہرحال یہ انکا ذاتی معاملہ ہے۔ جس کے بارے میں کچھ بھی جاننے کے لیے آپ کو براہ راست سر سے خود پوچھنا پڑے گا، مجھے اب اجازت ہے جی؟"

"جاؤ مگر جو کہا ہے، اس پر ہر حال میں عمل ہونا ضروری ہے۔"

رفاقت سر ہلا کر چلا گیا اور وہ بھی کچھ سوچتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

☆......☆......☆

میں تلخئ حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا

جس وقت وہ باتھ روم سے لباس بدل کر برآمد ہوا۔ چہرے پر صدیوں کا غم رقم تھا۔ کاش اس وقت کوئی دیکھنے والا ہوتا۔ کوئی چہرہ شناس قریب ہوتا تو دیکھ پاتا جہانداد مرتضیٰ کس کا نام ہے۔ سٹریو جو کہ بڑی ہی مدھم آغاز میں بج رہا تھا، اس پر اگلی نصرت فتح علی خان مرحوم کی غزل کا پہلا شعر سنتے ہی اس نے ریموٹ اٹھا کر آواز بڑھا دی اور اپنے لیے ایک گلاس سکاٹش وہسکی نکالی حالانکہ اصول کے مطابق عام روٹین میں وہ جب رات کو

دانت برش کر لیتا اس کے بعد چاہے جتنی مرضی چاہت ہو، نہیں پیتا تھا، پر آج تو خاص دن تھا۔" آخر شادی ہوئی ہے، بیوی گھر آئی ہے۔ اتنی سے سیلیبریشن تو غریب سے غریب انسان بھی کرتا ہوگا۔ میں تو پھر میں ہوں۔"

میں آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں حضور
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

اپنی صورتحال کے عین مطابق شعر سن کر راکنگ چیئر پر بیٹھے جھولتے وجود کے زخمی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بڑی گہری مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔ خود اذیتی کے تمام زیورات سے لیس تھا۔

اتنی دقیق شے کوئی کیسے سمجھ سکے
یزداں کے حادثات سے گھبرا کے پی گیا
ساغر وہ کہہ رہے تھے کہ پی لیجیے حضور
ان کی گزارشات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

غزل کا اختتام اور اس کے موبائل کی بیل بالکل ایک ساتھ ہوئے۔

اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈریسنگ کے اوپر پڑا موبائل اٹھایا۔

نام دیکھا۔ فون اٹھالیا۔

"وقت دیکھ رہے ہو؟ ایسی کونسی ایمرجنسی تھی جو صبح تک انتظار نہ کر سکے۔ کیا میری چچی مر گئی ہے؟؟ یا اس کو ہارٹ اٹیک آگیا ہے اور کسی ہسپتال کی ایمرجنسی وارڈ میں پڑی اپنے گناہوں پر معافی مانگ رہی ہے، تو میں ابھی اسی وقت اسکے پاس جاؤنگا۔ سرخ گلاب کے پھول لیکر جاؤنگا۔ آخر کو یہ وہ عورت ہے۔ جس نے میری بتیس سالہ زندگی کا ہر آنے والا دن ہر گزرے دن سے بھی زیادہ برا بنانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ ساری عمر اسکی اپنی اولاد اسکے سر پر سوار نہیں رہی۔ بلکہ میں سوار رہا ہوں۔ بیچاری کے بس میں زندگی و موت نہیں ورنہ کب کا مجھے پرے لگا چکی ہوتی۔"

دوسری جانب رفاقت نے جیسے سر پیٹ لیا۔

''سر گستاخی معاف مگر آپ نے تو کہا تھا۔تھکا ہوا ہوں ۔جلدی سو جانا ہے ۔پھر شائد آپکو اپنا وعدہ بھی یاد نہیں ۔آپ نے وعدہ کیا ہوا ہے ۔کہ بارہ بجے کے بعد کسی قسم کا کوئی زہر نہیں لیں گے ۔''

جہانداد کی بے ضرر سی ہنسی گونجی ۔

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انہیں ہوش نہیں

میہ کدہ ساز ہوں میں' میہ کدہ بر دوش نہیں

''او پائی تم میری زندگی سے کہیں ملو ۔مجھے تو آج تک نہیں ملی ۔شاید تمہیں ہی ملاقات کا شرف بخش دے ۔ ملو اس سے تو پوچھنا بی بی اس مسکین سے انسان جہانداد نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم اسے معاف ہی نہیں کرتی ہو ۔کبھی کہیں کی چھپی سسکیاں کبھی کہیں کے آنسو لا کر اسکی جھولی میں پھینک دیتی ہو، پھر ان تلخ یادوں کا جو دھواں ہے نا رفاقت وہ بڑا کڑوا ہے، اتنا کڑوا کہ میرا سانس بند ہونے لگتا ہے ۔اسلیئے یہ زہر پیتا ہوں، کیونکہ یہ زہر اس کڑواہٹ کو اپنی کڑواہٹ سے کاٹتا ہے ۔جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے ۔ویسے ہی زہر زہر کو کاٹتا ہے ۔خیر لگتا ہے مجھے چڑھ رہی ہے، جلدی سے بتاؤ فون کیوں کیا؟''

رفاقت گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا ۔

''سر وہ عرفہ صاحبہ کا حکم ہوا ہے، پرسوں آپکا ولیمہ ہے، جس کے لئے ہزار آدمی کا انتظام ہونا چاہیے ۔''

''ہزار آدمی؟؟ کیا پورے شہر کو بلا رہی ہے ۔؟؟ کسی وزیر کی بیوی بنی ہے ۔یا کسی وزیر کی بیٹی ہے؟''

''علم نہیں ہے جی ۔''

''چلو پھر کروا اپنی بیگم صاحبہ کے حکم کی بجا آوری ۔''

''پر سر ایسے کیسے کر سکتا ہوں ۔''

''جیسے اسے اٹھا کر گھر لا سکتے ہو ۔''

''پر وہ تو بڑے صاحب کا حکم تھا اور آپ نے بھی اجازت دی تھی ۔''

''ہاں تو اس وقت بڑے صاحب کی بہو کا حکم ہے اور میں پہلے جیسی ہی اجازت ایک دفعہ پھر دے رہا ہوں ۔'

''پھر سر انکا آپکے لیے بھی ایک پیغام ہے ۔''

جب وہ بولا تو لہجے میں بلا کی شرارت تھی۔

''جی سو بسم اللہ فرمائیے۔''

''وہ کہہ رہی ہیں، صبح کے ناشتے پر ہی انکا حق مہر مل جانا چاہیے۔''

''تم نے اسے بتایا کیوں نہیں کہ میں ناشتہ نہیں کرتا ہوں۔اب کیا لنچ پر لے گی؟؟؟ چلو کوئی مسئلہ نہیں صبح پوچھ لینا چیک چاہتی ہے یا کیش۔''

''پر سر آپ ایسے کیسے ایک کروڑ کی رقم اٹھا کر اس لڑکی کے حوالے کر دیں گے، جسکے ارادوں کا بھی ہمیں علم نہیں۔آپ پر جھوٹا الزام لگا کر زبردستی گھس آئی ہے۔''

''بات لمبی نہ کرو کیا کل آفس نہیں جانا؟ اور دوسرا یہ کہ وہ لڑکی چاہے فراڈ ہو یا کچھ، اللہ کے بندے نکاح اصل ہوا ہے۔اصل لوگوں کے سامنے۔اسلیے مہر تو اسکا دینا ہی پڑے گا۔جتنی جلدی ملے شاید اتنی جلدی یہاں سے چلتی بنے، سمجھا کرو۔اب بس دوبارہ ڈسٹرب مت کرنا۔''

موبائل بند کرنے کے بعد چارجر پر لگایا۔دوسرے ہاتھ میں پکڑے گلاس کے اندر بچے محلول کو ایک بڑے سے گھونٹ میں ختم کرنے کے بعد گلاس میز پر رکھا۔بوتل واپس بیڈ سائیڈ دراز میں باتھ روم سے منہ میں پانی ڈال کر اچھے سے کلی کی۔ساری بتیاں بجھا کر اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے کچھ سوچ کر فون کا رسیور اٹھا کر ابھی کان سے لگایا ہی تھا کہ معلوم ہوا، بزی جا رہا تھا۔

بے اختیار نظر سائیڈ دراز پر پڑے الارم کلاک کی جانب گئی۔

☆......☆......☆

''دیکھو فائزہ بجٹ پانچ لاکھ سے ایک روپیہ اوپر نہیں کر رہی ہوں۔ایک تو پچھلے تین گھنٹوں سے بیٹھ کر نواب زادی کا انتظار کرو، اوپر سے نخرے دیکھو۔شکر بجا لاؤ میرا جو تمہیں موقع دے رہی ہوں۔اتنی ڈیزائنروں کی جوتیاں سیدھی کرتی رہی ہو۔اپنے تعلقات استعمال کرو۔ایک دن کے اندر اندر شاندار جوڑا نکالو۔جوڑا ایسا ہو کہ فردوس بیگم کو دیکھتے ہی پوٹیاں لگ جائیں۔''

دوسری جانب فائزہ نے بھرپور احتجاج کیا۔

''آئے ہائے عرفو کتنی گندی ہو تم''

''اچھا تم ہر روز صبح شام پوٹی کرو تب بھی صاف ستھری ہو اور میں صرف لفظ کا استعمال کرنے سے گندی ہو گئی تمہارے تو میں صدقے نہ جاؤں۔''

''اچھا اتنا تو بتا دو شادی کس کی ہے؟؟ جس کے لیے جوڑا ڈھونڈنا ہے۔''

''فیرو تم نے تو وہی بات کر دی۔ ساری رات روتے رہے اور مرا کوئی بھی نہ۔ شادی کس کی نہیں میری تھی۔ بقلم خود اور آج ہو گئی رات آٹھ بجے سکہ رائج الوقت کے مطابق ایک کروڑ پتی بے چارے سے۔ شادی تو میرے پرانے سے رلے کھلے وجود میں ہی ہو گئی بچارے کو میں پسند ہی اتنی آئی بولا یہ لڑکی مجھے منہ دھوئے بغیر بھی قبول ہے۔ یو نو فرسٹ سائٹ لو۔''

''عرفو تم کب سے یقین کرنے لگیں فرسٹ سائٹ لو چھوڑ۔ لو اٹ سیلو پر۔۔؟؟''

''ہاں تو اب بھی کب کرتی ہوں۔ اسی لیے تو پورے ایک کروڑ حق مہر رکھوایا ہے۔ اگر کل کو لو شو سے مکر گیا تو آرام سے وہ اپنے راستے میں اپنے راستے۔''

''ہائے ارفو۔۔۔۔۔!! یہ کیا بول رہی ہو۔ باجی تو تمہارا قیمہ بنا دیں گی۔''

''باجی کو یہ سب کون بتائے گا؟؟ تم۔۔۔؟؟ پھر تمہارا اپنا قیمہ بھی تو کوئی بنائے گا ناں۔''

''اچھا بھئی نہیں بتاتی پر تمہیں بتا رہی ہوں۔ ایسی باتیں زیادہ عرصہ چھپی نہیں رہتی ہیں۔''

''اچھا فیرو اب بور نہ کر فائیو سٹار بیڈ پر یہ پھسکڑا مار کر سونے دے۔ آج کی رات وہ نیند آنی ہے۔ جو بادشاہوں کو آتی ہے۔ ایک منٹ یہ فون لائن میں وارڈن کے خراٹے کہاں سے آ رہے ہیں۔''

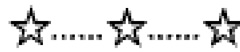
''اف اتنی رات کو چڑیلوں کے نام نہیں لیتے عرفو وہ سچ میں حاضر ہو جاتی ہیں۔ خراٹے مردانہ ہے۔ چونکہ آ بھی تمہاری جانب سے رہے ہیں۔ تو یقیناً دولہا بھائی کے ہی ہونگے۔''

''چل کل بات کرتے ہیں۔ ابھی کے لیے اللہ حافظ۔۔۔''

''ایک منٹ اپنے سسرال کا اڈریس تو بتا دو۔''

''اوہ اچھا۔۔۔ لکھو جلدی سے ایڈریس بڑا سیدھا آسان سا ہے۔''

اس نے ایسے ایڈریس لکھایا جیسے رٹا ہوا ہو۔



اب کوئی مجھ کو دلائے نہ محبت کا یقین

جو مجھے بھول نہ سکتے تھے وہی بھول گئے

وہ اپنے الارم کے مطابق پوری طرح تیار ہو کر ہینڈ بیگ لیے سیڑھیاں اتر رہی تھی، جب مائی ثریا پر نظر گئی جو عجلت میں سیڑھیاں پھلانگتی نظر آئیں۔

''ایک بات ہے مائی ثریا آپ کو تو داد دینی پڑے گی، اس عمر میں بھی اس قدر پھرتیاں بھاگ دوڑ۔ ایک میری عمر کے لوگ ہیں۔ چار چکر دکان کے لگا لیں تو ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔''

''جانے دو بیگم جی تم لوگ ہوئے برگر زدہ لوگ ہم سچی خوراک والے، تمہارا ہمارا مقابلہ نہیں بنتا۔ اچھا ہوا آپ خود ہی آگئیں ہیں۔ آپکی سہیلیاں ناشتہ لیکر آئی ہیں، ناشتہ میں نے کچن میں بھجوایا ہے۔ اب آپ آجائیں لڑکی تب تک گرم کر کے لگا دے گی۔''

عرفہ کو اس سیاپے کی امید نہ تھی۔ صدمے سے چلائی۔۔

"کتنی لڑکیاں ہیں؟؟"

''چار بچیاں، ایک ساتھ میں بڑی ہیں۔''

''ہائے ربا میں اس فیزو کمینی کا کیا کروں۔ باجی کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے آئی ہوگی۔ شوخی کہیں کی، مجال ہے جو کبھی سیدھا کام کر جائے۔''

''پریشانی کی کیا بات ہے بیگم جی اپنے گھر آئی ہیں۔ ظاہر ہے بہنوں دوستوں کو چاؤ ہوتا ہے۔ آپ ان کو گھر دکھائیں میں کھانا لگواتی ہوں، صاحب جی بھی جاگ رہے ہیں۔ میں انہیں بھی مہمانوں کا بتا دیتی ہوں۔''

''سنو! تم رہنے دو یہ میرا بیگ اور شال پکڑو اور یہ بتاؤ صاحب کا کمرہ کل کس طرف تھا، مجھے تو بھول بھی گیا۔''

''لائن میں سب سے آخری کمرہ ہے جی۔''

''کیا وہ اپنے کمرے میں ہی ہے؟؟''

''ہاں جی۔''

مائی ثریا کے آگے بڑھتے ہی اس نے بھی اپنی راہ لی۔

دروازے کے عین سامنے پہنچ کر ایک دفعہ پھر دل ہی دل میں فائزہ کو موٹی سی گالی دیتے ہوئے بڑا دل کر کے دروازے پر دستک دی۔

''ہنہ آؤ۔۔۔؟؟''

(آؤ تو ایسے بول رہا ہے جیسے شاہ رخ خان کی طرح بانہیں کھول کر استقبال میں کھڑا ہوگا۔)

گہرا سانس کھینچتے ہوئے اس نے اپنے ازلی اعتماد کو آواز دی۔ دوسرے پل دروازہ پورا کھول کر کمرے کے وسط میں کھڑی پائی گئی۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر کھڑکی کے قریب رکھی میز کرسی پر بیٹھا اپنے سامنے پھیلائے اخبار کو کافی پینے کے ساتھ ساتھ پڑھ رہا تھا۔

دروازے پر دستک کو چونکہ حسب معمول کسی ملازم کی آمد ہی جانا گیا تھا، جو کہ غلط ثابت ہوا۔

کمرے کے درمیان میں سفید چوڑی دار پجامے کے اوپر نیوی بلیو کرتے کے ساتھ، پیروں میں میرون کھسہ، گلے میں چنری کا دوپٹہ، وہ اونچی پونی ٹیل، کھلتا ہوا سفیدی مائل گندمی رنگ، لمبی لمبی پلکوں والی ذہین آنکھیں، باریک ہونٹ، درمیانہ قد۔۔۔سب کچھ انجانا مگر اس کے کمرے میں موجود۔

اس نے سرسری سا جائزہ لینے کے بعد اپنا مشغلہ جاری رکھا، کون ہو سکتی ہے۔ یہ بات سمجھ تو بڑی اچھی طرح گیا تھا۔

''تم کچھ دیر صبر کر لیتیں تو رفاقت رقم لے کر آنے ہی والا تھا۔''

''وہ تو خیر آ ہی جائے گا۔ مگر یہاں ایک نئی مصیبت نازل ہو گئی ہے، میرے میکے سے ناشتہ آیا ہے۔ اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ میرے میکے والے، بڑے کیا کہتے ہیں اسکو، ہاں، مار دھاڑ کرنے کے شوقین لوگ ہیں۔ غنڈے ٹائپ۔۔۔!!۔۔اب تم باہر انکے سامنے نہ جاؤ، ساتھ بیٹھ کر تھوڑا ناشتہ نہ کرو، جو کہ میری بہن نے

اپنی نہ جانے کب کی رکھی ہوئی جمع پونجی کی قربانی دیکر خریدا ہونا ہے۔اس کا دل ٹوٹے گا۔جواب میں میرے میکے والے تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے،نوکروں کے سامنے بے عزتی الگ۔''

ٹانگیں آگے کو پھیلائے۔اخبار طے کر کے سائیڈ پر رکھنے کے بعد اپنی آنکھوں پر بڑے کالے فریم والی عینک کو اتار کر اپنی گہرے رنگ کی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھنے کے بعد اسکی جانب دیکھا۔

''مجھے دھمکانے آئی ہو یا مدد مانگنے؟؟''

ہلکی سی داڑھی، سر پر بھاری گھنگھریالے بال، جن کو آج بھی ماتھے سے پیچھے کھینچ کر پونی ڈالی ہوئی تھی۔ ہلکے اور گہرے نیلے رنگ کی جینز کے اوپر پلین سفید شرٹ میں موجود آدمی، جو کہ قانونی طور پر اب عرفہ کا شوہر تھا۔ جسے وہ براہِ راست دیکھ ہی پہلی دفعہ رہی تھی۔ خاص کر جب اس نے اپنی لائٹ براؤن آنکھوں سے عرفہ کو پوری طرح فوکس کر کے سوال پوچھا، تو اک پل کو اس کا اعتماد لڑکھڑایا۔

عرفہ نے آنکھیں موند کر گہرا سانس اندر کھینچا۔

''مدد مانگنے آئی ہوں۔''

''شاباش اب ایک سچ اور بولو میں نے آج سے پہلے زندگی میں تمہاری شکل نہیں دیکھی اور تمہارے تاثرات بھی کچھ ایسا ہی سین دکھا رہے ہیں۔تو یہ جو کس بنیاد پر کھیلی ہو، محرک کیا تھا؟؟ بچے والی کہانی بنانے میں کس نے مدد دی؟''

وہ بڑے اعتماد سے چلتی ہوئی قریب آئی۔میز پر رکھے فلاسک سے اپنے لیے کافی نکالی، دو تین سپ لیے۔

''دیکھو جیسے کہ تم بھی ایک کاروباری آدمی ہو۔میں نے بھی حساب ہی پڑھا ہوا ہے۔جب کوئی مجھے اینٹ مارتا ہے ناں تو مجھے اس وقت تک سکون نہیں آتا جب تک میں پتھر سے اسکا کھنہ نہ کھول دوں۔کھنہ سمجھتے ہو؟؟ کنپٹی۔۔۔!!بس یہی سمجھو کسی کا کھنہ کھولنا ضروری ہو گیا تھا اور تمہارے کردار کو متاثر کیے بغیر یہ سب ممکن نہیں تھا۔ بچے والی کہانی میری اپنی ہے بقلم خود رائیٹر پرڈیوسر اور ڈائیرکٹر، تبھی دیکھا ایک سین میں ہی فلم او کے ہوگئی۔''

''کیا تمہیں اینٹ مارنے والا میں ہوں۔؟؟''

''نہیں' بلکہ تمہارے حق میں میری طرف سے زیادتی ہوئی ہے، مگر میں نے تمہارا کوئی ایسا ناقابلِ تلافی

نقصان بھی نہیں کیا۔ مجھ سے کہا گیا تھا۔ بھرے مجمعے میں تمہاری عزت دو کوڑی کی کرنی ہوگی۔ میں نے بند کمرے میں بات کی۔"

"تو کیا یہ پوچھ سکتا ہوں۔ اس سب سے جس کسی کا سر کھولنا مقصود تھا۔ مقصد حاصل ہوا؟؟"

"ارے وہی دیکھنے تو جا رہی تھی کہ یہ بلائیں ٹپک پڑی ہیں۔ جلدی سے میرے ساتھ چلو ایک دو منٹ انکے پاس بیٹھنا مروت میں دو ایک نوالہ توڑ کر، دیر ہو رہی ہے کا بہانہ بول کر، نکلتے بنتا آگے میں خود دیکھ لونگی۔"

"مس عرفہ نمبر ایک غلطی یہ کہ آپ بڑی چالاکی سے مجھے استعمال کرنا چاہ رہی ہیں۔ نمبر دو یہ کہ میں ڈیکلیٹیشن پر بالکل بھی کام نہیں کرتا ہوں۔ یہ گھر میرا ہے۔ اس لیے ڈرائینگ روم میں موجود لوگ میرے خاص مہمان ہیں۔ اپنے گھر آئے مہمان کو میں اپنے طریقے سے ملونگا اور تمہیں بھی ایز کرنٹلی یو آر لیونگ انڈر مائے روف میرا طریقہ اپنا کر ہی مہمان نوازی کرنی ہوگی۔ باقی جو تمہارے ذاتی کام ہیں۔ ڈو دیم اِن یور سپیئر ٹائم۔۔۔۔"

اس کے ساتھ ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا، نیلی جیکٹ کا سامنے کا بٹن بند کیا، پھر دروازے کے قریب پہنچ کر اس سے مخاطب ہوا۔

"اب اگر تم تیار ہو تو باہر چلیں۔"

اس نے کیا تیار ہونا تھا۔ فی الحال تو شکر گزار تھی کہ چلو جان چھوٹی، منتیں نہیں کرنی پڑیں۔ خود ہی جا رہا ہے۔ پہلا محاذ تو طے ہوا۔

فائزہ اور باجی کے علاوہ جو دو تین لڑکیاں ہوسٹل سے آئیں تھیں۔ وقتی طور پر ہی سہی مگر عرفہ کا شوہر دیکھ کر سب کی بولتی بند ہوگئی۔ پر باجی کی جونہی نظر عرفہ پر پڑی نظروں میں غم و غصہ اور شکوہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر جہانداد کے پیچھے ہوگئی جو کہ بڑے اعتماد اور چاہت سے مل رہا تھا۔

"اسلام علیکم جی ہم لوگ انتہائی معذرت خواہ ہیں۔ آپ کو اتنا طویل انتظار کرنا پڑا۔ آپ لوگ کھڑے کیوں ہوگئے پلیز تشریف رکھیے۔"

"وعلیکم سلام بیٹا، جیتے رہو۔ اللہ پاک ہزاروں خوشیوں سے نوازیں۔ میں ابھی صبح دفتر میں آ کر بیٹھی ہی ہوں کہ فائزہ کا فون آ گیا۔ مجھے تو لگا مذاق کر رہی ہوگی۔ بھلا میری عرفو ایسے فوراً سے بتائے پوچھے بغیر ہی جا کر

شادی تھوڑی کرلے گی۔ جب کہ بیٹا یہ اپنی ساری زندگی میرے سامنے شادی کے نقصانات ہی گنواتی رہی ہے۔ کئی ایک اتنے اچھے لڑکے یہ کہہ کر گنوادیئے کہ جب تک میرے بنک میں لمبا بینک بیلنس نہ بن جائے، کسی اچھے سے ہاؤسنگ سکیم میں کوئی بڑا سا گھر نہ خریدلوں۔ جب تک اپنی گاڑی نہ لی شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور کہاں اب دن چڑھتے ہی شادی ہوگئی۔''

''اچھا باجی اب یوں میرے شوہر کے سامنے میری نئی نئی عزت دوکوڑی کی تو نہ کریں اور اگر آپ میرے پہ غصہ کرنے کی بجائے ذرا غور سے اپنے گرد دیکھ لیں، تو سبھی کچھ موجود ہے۔ بہترین علاقے میں گھر، باہر کھڑی گاڑیاں، نوکروں کی فوج، کروڑوں کا بنک بیلنس، میں نے ایویں شادی نہیں کی۔ جہانداد نے میری منتیں کیں، بولا دیکھو تمہیں تو ہزاروں مل جائیں گے۔ میرا کیا ہوگا تو میں نے سوچا کہ اتنا اصرار کر رہا ہے۔ اسکا دل توڑنا بھی تو اچھی بات نہ ہوگی۔ دیکھیں ناں کمینہ کیوٹ بھی تو کتنا ہے۔''

جس دوسیٹر صوفے پر وہ جہانداد کے برابر بیٹھی تھی۔ باتوں کے دوران اسکے اور اپنے درمیان کا فاصلہ مٹا کر ایک ہاتھ جہانداد کے بازو میں ڈال کر دوسرے ہاتھ سے اسکے چہرے کو کیوٹ بولتے ہوئے تھوڑی کے قریب پکڑ کر زور سے ہلایا جیسے کسی بچے کو لاڈ سے کرتے ہیں۔

لڑکیوں میں رشک وحسد کی ہلکی سی کھی کھی گونجی۔ وہ اپنی جگہ حیرت سے چند لمحے تو فریز ہی ہوگیا۔ پھر اپنے ہاتھ پر رکھے عرفہ کے ہاتھ کو دیکھا۔ ساتھ ہی نظر موڑ کر ''واٹ دا ہیل واز دیٹ'' کہتی نظروں سے عرفہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

جواب میں وہ اسکے خاموش سوال اور چیخ کروارن کرتے ہوئے تاثرات کو مکمل اگنور کرگئی۔ البتہ اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ جس پر جہانداد کے تنے ہوئے اعصاب سے کچھ پریشر کم ہوا۔ مگر وہ مزید کوئی رسک لینے کا روادار نہیں تھا۔ اسلیئے کھانے کی میز پر اس سے دور ہی بیٹھا۔

''فائزہ ماں صدقے کتنے پیسے خرچ کے آئی ہو، ویسے میں مر کر بھی نہ سوچ سکتی تھی۔ تم میرے لیے اتنا کروگی۔''

''تمہیں ناشتہ پسند آیا۔ اس کے لیے شکریہ۔ مگر آج تک کی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کھانے کی بات

آئے تمہیں ریڑھی والے کے ڈھول پڑے سموسے سے بھی عشق ہو جاتا ہے۔ اینڈ پر جہاں تک رہی پیسوں کی بات وہ میں تمہارے جوڑے کی قیمت میں سے اپنی کمیشن کے طور پر نکال لوں گی۔"

"دیکھا۔۔۔تمہاری یہی باتیں ثابت کرتی ہیں کہ تم میری دوست ہو۔ایک دن کمال کی بزنس ویمن بنو گی۔

"ساتھ ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر گرما گرم نہاری کے ڈونگے میں سے بھر بھر کے دو تین سرونگز جہانداد کی پلیٹ میں ڈال دیں، جو کہ خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھ، سن اور برداشت کر رہا تھا۔

اپنی باجی کی پلیٹ کو بھی بھرنے کے بعد عجلت میں بولی۔

"بس جی میری تفریح کا وقت تو ختم، اس سے زیادہ رکی تو کوئی کام مکمل نہیں ہوگا۔تم سب لوگوں سے کل انشاءاللہ ملاقات ہوگی۔سب کے کارڈز یا ایس ایم ایس شام تک مل جائیں گے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا شادی کے دن بھی کہیں ٹک کر نہیں بیٹھنا۔"

"ہاں ضرور بیٹھتی ٹک کر، جو باقی کے سارے معاملات دیکھنے کو میرے نوکر موجود ہوتے۔ابھی تو ویسے بھی کسی کو بم مارنے جا رہی ہوں۔"

باجی کی بات کا جواب دیتی اندر کو بڑھی۔دو منٹ بعد واپس آئی تو چادر بیگ سمیت تھی۔سیدھی جہانداد کے قریب آئی جو کہ بڑے اطمینان سے بیٹھا اپنی کافی ختم کر رہا تھا۔کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"او کے بے بی سی یو ایٹ لنچ اور مے بی ڈنر۔۔۔ٹیک کیئر۔۔۔"

وہ بھی جانتا تھا۔مہمان لوگوں کو دکھانے کی فقط ایک فارمیلٹی تھی۔دکھاوا، مگر پھر بھی اچھو لگ گیا۔ایک گھورتی متحیر نظر اس پر ڈالی۔جو دونوں ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔بے آواز سوری بولتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"بیٹا تم ٹھیک ہو؟؟"

لڑکیاں فائزہ کی معیت میں میز سے اٹھ چکی تھیں۔

"جی میں ٹھیک ہوں، شکریہ پوچھنے کا۔"

"نہیں بیٹا شکریہ والی تو کوئی بات نہیں۔اچھا اب ہمیں بھی اجازت، آفس کھلا چھوڑ کر ادھر کو بھاگ آئی

تھی۔ پاگل سی ہے۔ اب تمہیں دیکھ کر کچھ تسلی ہوئی ہے۔ تم تو ماشاءاللہ سیانے لگ رہے ہو۔ کوئی اچھل کود نہیں ،کوئی شوخا پن نہیں، پر بیٹا، بیوی تمہاری تو دن رات کام کام کام۔ کی مشین ہے۔ اب دیکھو تمہاری بھی سنتی ہے یا کیا بنتا ہے۔"

وہ اس پر کچھ نہیں بولا۔

"ڈرائیور آپ لوگوں کو چھوڑ آئے گا، جہاں جانا ہو۔"

"نہیں اسکی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہمارا رکشے والا باہر ہی انتظار کر رہا ہوگا۔"

فائزہ نے بتانا ضروری جانا۔" باجی وہ تو عرفہ لے گئی۔"

"چلو یہ بھی اچھی رہی۔ اپنے گھر میں گاڑیاں ہیں اور گئی ہمارے رکشے میں۔"

جہانداد نے ان لوگوں کو مائی ثریا کے حوالے کیا جو انہیں باحفاظت گاڑی اسکے بعد گیٹ سے نکال کر واپس آئی۔ اپنی بیگم صاحبہ کے رویے پر تو حیرت ہی حیرت نازل ہو رہی تھی۔

وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا، جب رفاقت آیا۔

"سر میڈم نے پچاس ساتھ لے لیا پچاس گھر پر مائی کے حوالے کرنے کا کہہ گئی ہیں۔"

جہانداد کوشش کر رہا تھا، غصہ نہ آئے۔ آخر سالوں کی پریکٹس تھی، جو آج کام آ رہی تھی۔

"وہ رکشے میں پچاس لاکھ ساتھ لیکر گئی ہے؟؟"

رفاقت پہلے سے ہی تشویش میں مبتلا تھا۔

"جی سر میں انکے پیچھے گیا تھا۔ یہاں سے سیدھی بنک گئی ہیں۔"

"چلو خیر جو بھی، میرا رستہ چھوڑو اور جو حکم آپ کی بیگم صاحبہ نے کیا ہے وہ بجالائیں۔"

رفاقت کو وہیں چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ نکل گیا، جو کہ باجی لوگوں کو چھوڑ کر ابھی ہی واپس آیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک ناٹک ہے زندگی جس میں

آہ کی جائے، واہ کی جائے

اپنا وہی عام سا بیگ کندھے پر ڈالے نظر کی عینک آنکھوں پر رکھے۔ اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ چلتی وہ ریسیپشن پر رکے بنا سیدھی اندر باس کے آفس کی جانب بڑھی جب ڈیسک پر موجود لڑکی تقریباً بھاگتی ہوئی اس تک آئی۔

''اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میم تمہیں کام سے فارغ کر چکی ہیں اور حکم دیا ہے کہ اب تم یہاں نظر آؤ تو گارڈز کو بلایا جائے۔''

وہ لڑکی ایک ہی سانس میں اپنی ساری بات کہہ گئی، اسکے قدم رکے تو وہ لڑکی اسکے ساتھ ٹکرا گئی، کیونکہ بالکل پیچھے ہی آ رہی تھی۔

''اپنی معلومات اپ ڈیٹ کرو شائلہ ورنہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔ تم اس وقت اس کمپنی کی ملازمہ نہیں بلکہ مالک کی بہو سے مخاطب ہو۔ گارڈز تو دور انکا باپ بھی مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ اسلیئے جا کر آرام سے اپنی سیٹ پر بیٹھو۔ ہاں چاہو تو اپنی باس کے لیے ٹھنڈا جوس بھجوا دینا اسکا پارہ مجھے دیکھ کر ہی ہائی ہونے والا ہے۔''

دروازے پر ہلکا ناک کر کے اجازت کا انتظار کیے بغیر ہی اندر آ گئی۔

''اسلام علیکم ساسو ماں کیسی ہیں۔ آپ کے قریب آ کر آپکو پپی ضرور دیتی مگر آپکی لپ سٹک کا رنگ بہت تیز ہے۔ میں نے تو سوچا سرپرائز دونگی پر آپ کے چہرے پر ابلتے خون کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ مجھ سے پہلے ہی میری وکٹری کی خبر آپ تک پہنچ چکی ہے۔ کہیے پھر کیسی رہی بازی؟؟؟''

فردوس بیگم نے اپنی نفرت غصہ اور حقارت کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

''تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ شاطر نکلیں۔ میں نے تو تمہیں بہت انڈر ایسٹیمیٹ کیا ہے، مگر یہ ضرور بتا دوں۔ اگر دولت کے لالچ میں پھسلی ہو تو یاد رکھنا اس لڑکے کے پلے اپنا کچھ بھی نہیں میرے شوہر کا تنخواہ دار ملازم ہے۔''

''ہاں ہاں وہی دو ٹکے کا تنخواہ دار ملازم جس کو اپنے بیٹے کے رستے سے ہٹانے کے نت نئے پلان بناتی رہتی ہیں۔ اگر اتنا ہی غیر اہم ہے تو کیوں اسکو اتنا سوچتی ہیں؟''

''میرے ساتھ زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے تمہیں نکال دیا گیا ہے۔ لہذا تم جا سکتی

ہو۔''

''اوہ۔۔۔!! تت تت تت ،،،،، حالت دیکھیں ذرا اپنی ، میں تو اتنا کچھ بتانے آئی تھی۔ مگر آپ تو کچھ سننے سے پہلے ہی مرنے والی ہو گئی ہیں۔ پر فکر مت کیجیے گا۔ میں آپکے میاں کے بھتیجے کا اب سے دل و جان سے خیال رکھونگی آفٹر آل وہ آپکا دشمن ہے اور آپ کے بالکل الٹ بھی اسلیئے میری اور اسکی بڑی اچھی بننے والی ہے۔ جہاں تک رہی یہاں کام کرنے کی بات تو میم میرے اپنے پاس میرے اپنے میاں کے دفتر ہیں۔ میں آپکے ساتھ سر کیوں کھپاؤنگی۔ بس ذرا میک شیور کروا دیں کہ میرا اکاؤنٹ فریز کرانے کی کوشش نہیں کرنی۔''

بیگ میں سے ایک نفیس سا گولڈن اور بلیک ویزیٹنگ کارڈ سے کچھ بڑے سائز کا کارڈ نکال کر اسکی میز پر سامنے رکھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا، آپ کا وار آپ ہی کے منہ پر مارونگی۔ یہ ولیمے کا کارڈ ہے۔ اپنی بیٹی ثانیہ کو ضرور لائیے گا۔ بائے بائے ساسو ماں۔۔۔۔۔!!''

ہوائی کِس دیتی ہوئی فردوس بیگم کو جلنے کڑھنے کو چھوڑ کر ہنستی ہوئی نکل آئی۔ وہ تو پہلے ہی جب سے علم ہوا تھا کہ مجتبیٰ نے دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔ کتنی دفعہ مجتبیٰ سے ہی الجھ پڑیں تھیں۔ کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔ پہلے ایک مصیبت سے جان نہیں چھوٹ رہی تھی۔ اب ایک نئی پیدا ہو گئی۔ ثانیہ نے الگ سر درد لگا رکھی تھی۔ جس عقل کی اندھی کو جہانداد کے سوا کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا تھا۔

رات سے ہی ثانیہ نے رو رو کر اپنی حالت خراب کی ہوئی تھی۔ ابھی بھی لاکھ نفرت کے باوجود وہ کارڈ کو ہاتھ میں پکڑ کر سوچ رہی تھیں۔ شاید ثانیہ کا ولیمے میں جانا ہی ضروری ہے۔ جہانداد کے ساتھ دوسری لڑکی دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے اسکا طلسم ٹوٹ جائے۔

☆......☆......☆

یہ غم کیا دل کی عادت ہے؟ نہیں تو
کسی سے کچھ شکایت ہے؟ نہیں تو

صبح سے خالی معدے میں معمول کی طرح کافی کا ایک کے بعد ایک کپ خالی ہو رہا تھا۔ ایسا خاص کرتب

زیادہ ہوتا۔ جب دل و دماغ میں کوئی الجھن گھوم رہی ہوتی اور وہ خود کو بری طرح کام میں غرق کر کے ہر فکر سے فرار ڈھونڈتا۔

بڑے کالے فریم والی عینک وقتاً فوقتاً ناک پر آتی پھر دوبارہ بالوں پر اٹکا دی جاتی۔ جب سامنے پڑی فائل پڑھنا ہوتی تو آنکھوں پر اور جب کمپیوٹر کی سکرین چھاننا ہوتی۔ عینک ناک سے اوپر سفر کر جاتی۔

ایک پینسل پونی والے بالوں میں ڈوبی ہوئی تھی، دوسری ہاتھ میں گھوم رہی تھی۔

سامنے پڑی فائل کو وہ اچھی طرح دیکھ چکا تو سائن کر کے ایک طرف ڈال دی۔ دوسری فائل کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ جب اسکی پی اے نے ہلکا سا دروازہ بجا کر سر اندر نکالا۔

"معذرت چاہتی ہوں سر، باہر آپکے انکل آئے ہیں۔"

اس نے گھورتی ہوئی نظر اپنی پی اے پر ڈالی اور پنسل فائل پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"مس اسمارہ میں نہ جانے کتنی دفعہ یہ بکواس کر چکا ہوں، انکو باہر مت روکا کریں، سیدھا اندر بھیجا کریں۔"

وہ بیچاری رو دینے کو تھی۔

"سر میں ہر دفعہ انکی منت کرتی ہوں کہ وہ باہر مت رکیں۔ پر وہ کہتے ہیں، پہلے صاحب جی سے اجازت لیکر آؤ۔"

وہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

"اچھا جایئے بھیجئے انہیں۔"

وہ خود بھی آ کر دروازے کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اور ایسا ہر دفعہ ہی ہوتا تھا۔

کچھ لمحوں بعد سوٹڈ بوٹڈ سے سیٹھ مجتبیٰ فریم میں ابھرے۔

دونوں چچا بھتیجے نے مصافحہ کیا۔

"آپ یہ سب کر کے مجھے میرے سٹاف کے سامنے بے عزت کرنے سے باز آ رہے ہیں یا میں آپکو اپنا استعفیٰ پیش کروں؟"

"برخوردار اس وقت تو میں پہلے ہی بڑا شرمندہ ہوں، مزید کوئی تیر مت آزماؤ۔"

انکی بات سمجھتے ہوئے، ایک مجروح سی مسکراہٹ اسکے لبوں پر پھیل گئی۔مجتبیٰ نے ایک طائرانہ سی نگاہ اسکے ورکنگ ڈیسک پر ڈالی۔

''ماشا اللہ تین عدد خالی کپ۔یقیناً ابھی تک لنچ تم نے بھی نہیں کیا۔چلو میری ایک دوست کے ساتھ لنچ میٹنگ ہے، تمہیں لینے کو ہی آیا تھا۔''

''چلیں سر جو حکم۔۔۔''

''یہ اپنا چشمہ ٹھیک کرو اور بالوں میں پھنسائی ہوئی پینسل بھی نکالو۔پرائمری کے استاد لگ رہے ہو۔''

اس نے چونک کر سر ٹٹولا۔

''آدھا گھنٹہ پہلے میں اس پینسل کے پیچھے اتنا خوار ہوا ہوں، کہیں نہیں ملی۔''

''ہاں اندازہ ہو رہا ہے کہ آج ذہن روٹین سے ہٹ کر زیادہ حاضر ہے اور یہ سب ہے بھی میری وجہ سے ،ایم ایکسٹریملی سوری مائے چائلڈ مگر جو سٹیپ میں نے کل رات لیا وہ لینا ضروری تھا۔''

''خیر اس وقت تو پیٹ پوجا ضروری ہے اور میں یہ بتا دوں۔بل دینے کو میرے پاس فقط چند ہزار بچے ہیں۔''

دونوں چچا بھتیجا ساتھ ساتھ چلتے لفٹ سے نکل کر پارکنگ کی جانب جا رہے تھے۔

''اس اچانک غربت کی وجہ جان سکتا ہوں؟؟''

''جی بالکل جان سکتے ہیں۔اصل میں میرے چچا ملین ائر ہیں۔اپنی حیثیت کے مطابق انہوں نے ناچیز کے نکاح کا مہر مقرر کر دیا۔بیوی نے پہلا مطالبہ ہی گرینڈ پارٹی اور حق مہر کا کیا ہے۔سوا کروڑ جیب سے نکالنے کے بعد باقی صرف ریزگاری بچی ہے۔''

مجتبیٰ کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''آتے ہی حق مہر مانگ لیا؟؟''

''اوہ یس سر ایک دن نکاح، دوسرے دن مطالبے، تیسرے دن طلاق،شو آن ہے۔''

''خیر اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔''

"جی تو اور آپ کیا امید کر رہے ہیں؟؟۔"
"کم از کم طلاق تو نہیں۔"
"میرے خیال میں یہ موضوع کسی اور دن کے لیے اٹھا رکھنا چاہیے۔"
گاڑی وہ چلا رہا تھا۔ آنکھوں پر اب کالی عینک تھی۔
"تو تم مجھے معاف نہیں کر رہے ہو؟؟"
اس نے گردن موڑ کر ایک نظر اپنے باپ کو دیکھا۔
"آپ جانتے ہیں۔ مجھے کبھی بھی اپنے بارے میں کیئے گئے آپکے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں ہوا۔ وقت گواہ ہے۔ میرا آج تک کا ہر فیصلہ آپ نے لیا ہے اور بہت خوب لیا ہے، مگر چچا شادی ایک الگ چیز ہے، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، کبھی نہ تھا۔ نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ پتا نہیں کیوں میری اتنی درخواست کے باوجود آپ چچی کو میری طرف سے بے فکر کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ ثانیہ کے میری جانب جھکاؤ سے خوفزدہ تھیں۔ حالانکہ چچا آپ گواہ ہیں۔ میں ثانیہ سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرونگا، کرنا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ ثانیہ تو مجھے بڑی عزیز ہے۔ بھلا اسکے ساتھ کوئی ظلم کیوں کروں گا؟؟ چچی کو اس نئی لڑکی والا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔"
مجتبی نے گہرا سانس خارج کیا۔
"ایک بات یاد رکھو جہانداد کہ اگر میں اپنی بیٹی کو واقعی تمہارے قابل سمجھتا تو فردوس تو دور اسکا باپ بھی مجھے میرے فیصلے سے نہ ہٹا سکتا تھا۔ میں اپنی بیٹی کے مزاج سے واقف ہوں۔ ایک وقت میں جو چیز بڑی ضد اور فرمائش سے رو رو کر مانگتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اسے یہاں وہاں ٹوٹنے کو پھینک دیتی ہے۔ میری فیملی کی وجہ سے جتنی ٹوٹ پھوٹ تمہارے اندر ہو چکی وہی رفو ہو جائے تو کافی ہے۔ مزید کی قطعاً گنجائش ہی نہیں۔"
اگلے چند منٹ گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ بوجھل سی خاموشی۔۔۔
مجتبی کی بتائی جگہ پر جس وقت وہ گاڑی پارک کر کے چچا کے پیچھے گاڑی سے نکل رہا تھا۔ عین اسی لمحے ایک رکشہ وہاں پر رکا۔ ریموٹ سے گاڑی لاک کرتے ہوئے جہانداد کی نظر بلا ارادہ اٹھی پھر چند سیکنڈ تک پلٹنا بھول گئی، کیونکہ رکشے سے نکلنے والی کوئی اور نہیں مس عرفہ تھیں۔ جس اعتماد سے اردگرد کو اگنور کرتی وہ اسی رسٹورنٹ

میں گئی جہاں ان لوگوں کی بکنگ تھی۔ جہانداد کا دل عش عش کر اٹھا۔ دل میں سوچا۔

"یہ بھی شکر ہے کہ چچا اپنی بہو کی شکل سے ناواقف ہیں، ورنہ ایویں بیچارے مزید شرمندہ ہوتے۔

مگر یہ کیا جس میز تک ویٹر نے رہنمائی کی۔ نہ صرف مس عرفہ وہاں موجود بلکہ گود میں کوئی ڈائری کھولے قلم سے جلدی جلدی کچھ لکھ رہی تھی، ابھی وہ اپنی کنفیوژن سے نکل نہیں پایا تھا کہ چچا کا بزنس وکیل بھی اپنا موٹا سا بیگ اٹھا کر حاضر ہو گیا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے چچا کو دیکھا اور وہاں ایک بار پھر لاتعلقی اور خاموشی پائی۔ جیسی کل رات کو دیکھی تھی۔ دل ہی دل میں یا اللہ خیر بولتا بیٹھ گیا۔ پہلو میں کہنے کو بیوی بیٹھی تھی، مگر اجنبی تھی۔

اب اتنے کمزور اعصاب کا تو وہ کبھی چھوٹی عمر میں بھی نہ تھا کہ اپنی سوچ اگلے کو آسانی سے پڑھنے دیتا۔

لنچ ایک بزنس لنچ جیسا ہی محسوس ہوا۔ ہلکی پھلکی بات چیت کے دوران کھانا کھایا گیا۔

غیر معمولی پن تب ہوا جب عرفہ نے بڑی صفائی سے اپنی پلیٹ میں موجود سارے مشرومز جہانداد کی پلیٹ میں منتقل کر دیئے۔ جنہیں وہ زہر مار کر گیا۔ بعد میں جہانداد کے لیے بریانی کے ساتھ آنے والا رائتہ اٹھا کر چمچ کے ساتھ کھا گئی۔ جس پر جہانداد نے ایک ترچھی گھورتی نظر اس پر ڈالی جو اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

مجتبیٰ یا انکے وکیل نے شاید نوٹ تو کیا ہو مگر بظاہر وہ اپنی ہی باتوں میں مگن نظر آئے۔

میٹھے میں سب نے اپنی اپنی پسند سے آئس کریم چنی۔ عرفہ نے مینگو اور ٹروپیکل لی۔ مجتبیٰ اور انکے وکیل نے سٹرابیری جبکہ جہانداد نے پستہ اور کلفی چنی۔

عرفہ نے مجتبیٰ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے، اپنے چمچ سے ایک نوالہ جہانداد کے پیالے میں سے لیا۔

جہانداد نے ایک شرمندہ سی نظر ارد گرد ڈالی، آیا کون کون اس ندیدی کی حرکتوں سے واقف ہوا ہے۔ مگر افسوس ایک تو اسکا اندازِ کارروائی انتہائی سادہ، بے ضرر، دوسری صورت بھی ویسی موہنی سی، یقین تو دور کی بات کوئی شک بھی نہیں کرتا۔

بڑے دھڑلے سے اس نے جہانداد کا پیالہ اسکے سامنے سے اٹھا کر اپنا اسکی جگہ پر رکھ دیا۔

مگر جہانداد نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔

''اچھا بسراء صاحب کیا خیال ہے، جب تک چائے آتی ہے، آپ بچوں کے دستخط لے لیں۔''

سیٹھ مجتبیٰ کے کہنے پر بسراء صاحب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے، ٹشو سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد اپنے بیگ سے دو فائلیں برآمد کیں۔

جہانداد کے اندر کوئی خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔

جبکہ عرفہ کا سارا دھیان ابھی تک آئس کریم میں ہی تھا۔

''کیسے دستخط؟؟؟''

مجتبیٰ نے ایک نظر جان سے عزیز بھتیجے پر ڈالی۔

''جہانداد جس مل میں تم بیٹھتے ہو، وہ میں نے تمہارے نام کردی ہے۔ جس گھر میں تم رہتے ہو، وہ تم دونوں کے نام کردیا ہے۔''

''آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟؟''

اسکی آواز میں صدمہ تھا۔

''جہانداد مجھے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے۔''

''کیا یہ فیصلہ آپ نے اپنی بیوی بچوں کی مرضی سے کیا؟؟''

''حق دار کو اسکا حق دینے کے لیے مجھے کسی سے کچھ بھی پوچھنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میرا آپ کی جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے، میں صرف آپکا ایک تنخواہ دار ملازم ہوں اور بس۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہارا میری جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے، مگر تمہارے باپ کی جائیداد پر بھی تمہارے سوا کسی کا حق نہیں ہے، یہ جو مل ہے، یہ میں نے تمہارے باپ کے حصے کی زمیں بیچ کر لگائی تھی۔ تم نے دن رات کی محنت سے اسکو کامیابی کی انتہا تک پہنچایا اور میں اسکو اسکے اصل مالک کے حوالے کر رہا ہوں۔ مزید کوئی بات نہیں۔ کوئی سوال وجواب نہیں۔''

''مگر چچا آپ آج کل اپنا ہر فیصلہ یوں عجلت میں کیوں لے رہے ہیں؟؟''

''عجلت۔۔؟؟ آر یو کیڈنگ می جہانداد۔۔۔؟؟ اپنی عمر یاد ہے؟؟ میں بڑھاپے کی سیڑھیاں اتر چکا

ہوں ۔۔آج آنکھ بند ہو جائے یہ لوگ تمہیں ہر چیز سے مکھی کی طرح نکال کر بے دخل کر دیں گے۔اسلیئے جو میں کر رہا ہوں۔وہ میری زندگی میں ہی ہونا ضروری ہے۔تمہاری شادی کی فکر بھی اتر گئی۔اب یہ معاملے سلجھ جائیں تو میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔''

''چچا یار مجھے جب کچھ چاہیے ہی نہیں تو آپ زبردستی نہ کریں۔''

اب کے وہ بولی جس کا جہانداد کے خیال میں اس سارے معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

''تمہیں کیوں کچھ نہیں چاہیے؟؟ کیا چاہتے ہو کہ کل کو ہمارے بچے تمہاری تنخواہ پر ہی رو دھو کر گزر بسر کریں۔ایک آئی فون کی قیمت جانتے ہو کتنی ہے؟؟اگر تین بچے بھی ہوئے تو تینوں کو ایک ایک لے کر دو گے۔ پھر انکی تعلیم کے خرچے مجھ سے امید نہ رکھنا کہ بڑا صبر شکر کر کے جو آگیا اسی میں گھر چلاؤ نگی۔پچہتر ہزار میری ماہانہ آمدنی ہے۔تمہاری اس سے ٹرپل ہونی چاہیے۔میرے بچے باہر سے بھی ڈگریاں لینے جائیں گے اور ایسا دو طرح کے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ایک وہ جو انتہائی لائق ہوں اور ساری تعلیم اسکالرشپ پر حاصل کریں۔ دوسرے مل اونرز یا سیاستدانوں کے بچے۔چلو آج تم مل اونر بن گئے۔میں سیاست میں آجاتی ہوں۔''

مجتبیٰ نے قہقہہ مارتے ہوئے، قلم جہانداد کے ہاتھ میں تھمایا۔

''چلو بچوں کے ابا، بنو مل اونر۔۔۔''

بے بسی کی انتہا تھی، بولا کچھ نہیں۔لب بھینچ کر عرفہ کو ایک گھوری سے نوازا اور دستخط کر دیے۔

گھر کے کاغذات دونوں کے نام ہوئے۔مسٹر اینڈ مسز جہانداد مرتضٰی۔مگر سائن بس جہانداد کے ہوئے۔ کیونکہ بیگم صاحبہ کو اچانک سے اپنی اپوائنٹمنٹ یاد آگئی تھی۔

''او کے انکل میں چلتی ہوں۔تھینک یو سو مچ لنچ کے لیے، بڑا مزے کا تھا۔میں نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہوا تھا۔شاید اسلیئے بھی زیادہ مزے کا لگا اور ہاں بسراء صاحب کل پارٹی ہے آپ بھی ضرور آیئے گا۔انکل آپ کو تو وہاں استقبالیہ سنبھالنا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے اپنا مل اونر غصے میں میرے سے بدلہ لینے کی نیت سے میری پارٹی سے ہی غائب ہو جائے تو اس صورت میں سب آپکو سنبھالنا پڑے گا۔باقی باتیں پھر ابھی میں ایک انٹرویو کے لیے لیٹ ہو رہی ہوں۔''

اللہ حافظ کہتی ہوئی یہ جا وہ جا۔ نہ جانے کس جذبے کے تحت وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلاس وال کے قریب آیا تھا۔ جہاں سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

رکشے والا وہیں انتظار میں ایک طرف چھاؤں میں موجود تھا۔ وہ آنکھوں پر گہرے شیشے لگائے رکشے میں سوار ہوئی۔ رکشے والے نے مڑ کر کچھ پوچھا۔ کیک ماری اور پھٹ پھٹ کرتا دھواں وہاں سے غائب ہو گیا۔

گہرا سانس کھینچتے ہوئے وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ لنچ کی پے منٹ مجتبٰی کے بہت اصرار کے باوجود۔ اس نے خود کی تھی۔ واپسی پر انکو انکے دفتر چھوڑ کر اپنے دفتر آیا تو گھر اور فیکٹری کے کاغذات ساتھ تھے۔

سارا کچھ ایک طرف ڈال کر اپنے کام میں مگن تھا۔ جب پی اے والا بزر بجا۔

دوسری لائن پر وہ پہلے سے کسی کے ساتھ معاملات طے کرنے میں مصروف تھا۔ اگر ارجنٹ نہ ہوتا تو پی ایکی کال نہیں آنی تھی۔ اس نے لائن ہولڈ پر رکھ کر دوسرا ریسیور اٹھایا۔

''جی مس اسمارہ فرمائیے۔؟؟''

''سر آپ سے ملنے مس ثانیہ آئی ہیں۔''

''ثانیہ مجتبٰی ؟؟''

بھلا اب اور کوئی ثانیہ کہاں سے ٹپکنی تھی۔ ظاہر ہے وہی تھی۔

''جی سر آپکی کزن ثانیہ صاحبہ۔''

''مر گئے یار یہ کدھر آ گئی ہے، کیا غصے میں لگ رہی ہے؟؟''

''نہیں سر پر کافی سنجیدہ لگ رہی ہیں۔ آنکھیں گلاسز کے پیچھے چھپی ہیں پر ناک سے لگتا ہے روتی رہی ہیں۔''

اب وہ بولا تو آواز میں حکم تھا۔

''مس اسمارہ میں اس وقت بہت اہم میٹنگ میں ہوں۔ اگلے آدھے گھنٹے تک میرے فارغ ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں، سمجھ گئی ہیں؟؟۔''

''جی سر میں بتا دیتی ہوں۔''

ساتھ ہی لائن ڈیڈ ہوگئی۔مگر چند سیکنڈ کے لیے ہی کیونکہ بیل دوبارہ سے ہوئی۔

''جی؟؟''

''سر وہ کہہ رہی ہیں۔ بڑا ضروری کام ہے۔اسلیے دو گھنٹے بھی انتظار کرنا پڑا تو وہ آپکو ملے بغیر نہیں جائینگی۔''

''دھت تیری یار۔۔۔!!اوکے اس چائے والے کا پوچھو اور انتظار کرنے دو۔''

''جی سر۔''

دونوں فون واپس ڈال کر اس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''اپنے کیا شاندار دن چل رہے ہیں۔کل آوٹ آف بیلو شادی ہوگئی۔آج یہ لڑکی نہ جانے کونسے حساب بے باک کرنے آئی ہے۔اللہ پاک تو ہی عزت رکھ لے۔''

اپنا موبائل اٹھا کر اگلا نمبر ملایا۔

دوسری بیل پر ہی جواب موصول ہوا۔

''اسلام علیکم سر؟؟''

''رفاقت صاحب آج آپ کس مشن پر دفعان ہیں کہ آفس کا کوئی ہوش ہی نہیں۔''

وہ شرمندہ سا بولا۔

''سر وہ کل کی پارٹی کے انتظامات دیکھ رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔آخر برطانیہ کی ملکہ کا ولیمہ ہے کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے۔''

''سر ہم ملکہ برطانیہ کو کیا سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیے تو آپ ہی پرنس ولیم ہیں۔''

جہانداد نے تاسف سے سر ہلایا۔

''پرنس ولیم کے کچھ لگتے باہر وہ آئی بیٹھی ہے۔''

''کون مسز جہانداد؟؟''

''واہ کیا بات ہے جناب کی۔ مسز جہانداد کے کچھ لگتے میں ثانیہ کی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ۔۔۔!! پر انکو آپ سے کیا کام پڑ گیا؟؟''

''مجھے کیا پتا۔ کچھ علم ہو کہ تمہاری وہ اوٹ پٹانگ سی مالکن مس عرفہ اس وقت کہاں پائی جا رہی ہیں؟؟''

''سر میری آخری معلومات کے مطابق لنچ انہوں نے آپ کے ساتھ ہی کیا تھا۔ اسکے آگے کا علم نہیں۔''

''تمہارے پاس اسکا کوئی فون نمبر جس پر اس کو ابھی ڈھونڈا جا سکے۔''

''میرے پاس تو نہیں ہے، مگر میں انکی دوست کے ساتھ ایک جگہ سے انکا کل کے لیے جوڑا اٹھانے آیا ہوا ہوں۔ آپ کہیں تو انکی دوست سے نمبر لے لیتا ہوں۔''

''جلدی کرو پھر، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اگلے دو منٹ میں مجھے نمبر فارورڈ کرو۔''

فون رکھ کر بے چینی سے ڈیسک بجانے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی میسج کی ٹون بجی۔

نمبر دیکھتے ہی ڈائل کر دیا۔

بیل جاتی رہی جاتی رہی۔ ایک بار دو بار تیسری بار کاٹ کر ملایا وہی سین جاری تھا۔ جب اچانک غصے سے بھری آواز ابھری۔

''بس لوگوں کے ہاتھ فون کیا آ گئے، خود کو عقلِ کل ہی سمجھنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ پر کسی نے فون نہیں اٹھایا تو اسکا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگلا بندہ یا تو مصروف ہے یا فون اسکے قریب نہیں۔ عقل مندی کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ انسان میسج چھوڑ کر فون کی جان خلاصی کرے پر نہیں جی، ملائے جانا ہے، ملائے جانا ہے۔ اب بولو بھئی کس کو میرے بغیر قبض ہوئی ہے۔ کیسے علاج کروں؟؟''

جہانداد نے حقیقتاً اپنا سر پیٹ لیا۔ ہتھیلی کے ماتھے سے ٹکرانے کی آواز دوسری جانب بھی شاید سنی گئی۔

''سر پر ہاتھ مارنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔۔ اٹھ کر دیوار میں سر مارو اور اب بول بھی چکو کون اور کہاں سے؟؟''

''جہانداد بول رہا ہوں۔''

آواز میں دنیا بھر کی شرمندگی تھی، دوسری طرف وہ اتنی ہی بہار گل و گلزار ہو گئی۔

''ہائے میں صدقے جاؤں، زندگی میں پہلی دفعہ مجھے میرے شوہر کی کال آئی ہے۔ کوئی مجھے ہوش کی دنیا میں لائے کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟؟ ابھی تو تین گھنٹے پہلے ہم لوگ ملے تھے۔ ابھی سے میری

یاد اس قدر آنے لگی، کہاں سے نمبر ڈھونڈ کر کال کی۔"

جہانداد کا جی چاہا واقعی اپنا سر دیوار میں دے مارے۔ آگے کھڈا پیچھے کھائی۔ درمیان میں اک بیچارے کی شامت آئی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"ہائے میرے گناہگار کان کیا سن رہے ہیں، جہانداد مرتضٰی کو میری مدد درکار ہے۔"

"تم اپنے یہ ڈرامے بند کر کے دو منٹ سنجیدگی سے میری بات سن سکتی ہو؟؟ یا پھر میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے فون رکھ دوں۔"

"اچھا بھئی بولو کیا چاہتے ہو۔"

"باہر میری کزن مجھ سے ملنے کو آئی بیٹھی ہے۔ میں اس سے تنہائی میں ملنا نہیں چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے بھی ہو اگلے دس پندرہ منٹ میں میرے آفس آؤ اور مجھے اس صورتحال سے باحفاظت نکالو۔"

"آہا۔۔۔تنہائی میں ملنا نہیں چاہتے ہو کیا وہ تمہاری جوانی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتی ہے؟؟"

"اگر تم نے سنا ہو میں نے کیا کہا ہے۔ سنجیدگی۔۔۔!! سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ فضول گوئی سے پرہیز کیا جائے، وہ اگر آج یہاں یوں آئی ہے تو یقیناً وہ سب کہنے آئی ہے، جو آج تک دل میں لیے گھوم رہی تھی اور میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا ہوں۔"

"تم ایسا کیوں نہیں چاہتے ہو۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں، دل ہی دل میں تم بھی اس پر مرتے ہو گے۔"

"پلیز خاتون کانوں کی میل نکال کر سنو۔ تمہاری میری کوئی یاری نہیں ہے کہ میرے ساتھ ایسے جوک بازی کرو۔ سیدھے سے بتاؤ آسکتی ہو یا نہیں؟؟ اور اس وقت تو ویسے بھی اندھیرا ہونے والا ہے۔ تم ہو کہاں۔؟؟"

"یہ سمجھو کہ تمہیں پہلے ہی دن اک اجنبی حسینہ کی فکر ہو رہی ہے؟؟"

"اگر اجنبی حسینہ ٹو دا پوائنٹ جواب دیدے تو بڑی نوازش ہو گی۔"

"میں انٹرویو کے لیے شیراز پلازہ گئی تھی۔ ادھر سے پیدل آ رہی ہوں۔ اس طرف کوئی اتنی زیادہ پبلک ٹرانسپورٹ نہیں ہے۔"

"کیوں تمہارا رکشہ کدھر گیا؟؟"۔

دوسری طرف وہ اسکے انداز پر ہنسی۔۔۔۔

"وہ مجھے یہاں اتار کر چلا گیا تھا۔"

"تم میرے آفس کے قریب ہی ہو۔اپنا موجودہ مقام بتاؤ آگے میں تمہیں گائیڈ کر دیتا ہوں۔"

"میں آنے کے لیے راضی ہونگی تو پتا بتاؤ گے ناں۔"

"اگر راضی نہیں ہو تو کیوں میرا وقت برباد کر رہی ہو۔ڈیل ہوئی ہے۔صبح میں نے تمہاری مدد کی تھی۔اب مجھے مطلوب ہے اور تم "نہ" کیسے کر سکتی ہو۔"

"آنے کی ہاں صرف ایک شرط پر کرونگی۔"

"تم کوئی کام شرائط کے بغیر بھی کرتی ہو یا نہیں۔"

"ایسا بیوقوف لوگ کرتے ہیں اور میں ہرگز بیوقوف نہیں ہوں۔"

"اچھا بھئی بولو کیا نئی شرط ہے۔"

اس نے جیسے ہار مانی۔

"اب ہوئی ناں بات۔۔۔۔شرط نمبر ایک کل کے فنکشن میں تم مجھے اپنے گھٹنے پر بیٹھ کر ڈائمنڈ کی رنگ پہناؤ گے۔شرط نمبر دو۔۔۔۔۔!!میرے ساتھ ڈانس کرو گے۔"

"ٹو بی ویری اونیسٹ انتہائی فضول اور بے ہودہ ترین شرائط ہیں۔ڈانس مجھے آتا نہیں۔اینڈ فور گیٹ اباؤٹ ڈائمنڈز کیونکہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں بچی۔ویسے ہو تم بڑی لالچی عورت۔۔"

"پہلی بات تو یہ مسٹر ڈوش بیگ ناچنا اور رونا ہر کسی کو آتا ہے۔کنگلے آدمی مت دینا چیپ رنگ میرے خرچ پر سہی پر اپنی اس ڈائن چچی کے سامنے دنیا جہاں کا پیار اپنی آنکھوں میں بھر کر مجھے دیکھتے ہوئے پہنا تو سکتے ہو ناں۔"

"لگتا ہے،رومانس یا تو پڑھتی بہت ہو یا دیکھتی ہوگی۔"

"نہیں دونوں اندازے غلط ہیں۔میرے پاس ایسی فضولیات کا وقت نہیں ہوتا۔"

''اگر یہ سب فضولیات ہیں تو زبردستی منوا کیوں رہی ہو۔''

''زبردستی تو نہیں، اگر تمہیں نامنظور ہو تو خدا حافظ۔''

ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ دانت پیستے ہوئے اس نے نمبر واپس ملایا۔

تیسری بیل پر جواب آیا۔

''تم نے میری کال کاٹ دی؟؟۔''

''تمہیں جب ڈیل ہی منظور نہیں تو فائدہ بات کرنے کا۔''

''اچھا ٹھیک ہے، سوچونگا مگر ابھی تو میری مدد کرو۔''

''میں تمہارے آفس کے باہر کھڑی ہوں۔ اپنے کسی ملازم کو بھیجو جو مجھے اندر کا رستہ سمجھا سکے۔''

''تم آل ریڈی ادھر ہو؟؟ اچھا رکو باہر ہی، میں آتا ہوں۔''

موبائل کان سے لگائے وہ بیک ڈور کھول کر آفس سے نکل آیا۔ پانچ منٹ لگے اسے مین گیٹ تک جاتے، وہ وہاں کھڑے گارڈ سے باتیں بگھارنے میں مصروف نظر آئی۔ دور سے ہی اسے اشارہ کر کے متوجہ کرتا ہوا مڑ آیا۔ وہ واپس آفس کے اندر آیا تو ایک منٹ بعد وہ بھی اسی رستے سے اندر آئی۔ پیروں میں ٹریز کندھے پر بھاری بیگ ایک ہاتھ میں ٹشو دوسرے میں پانی کی ڈیڑھ لیٹر کی آدھی خالی بوتل۔

آتے ہی سارا سامان جہانداد کے ڈیسک پر پھینکا۔

''تم نے مجھے یوں چوروں کی طرح کیوں اندر بلایا، کیا میں سیدھے رستے سے نہیں آسکتی تھی؟؟''

''نہیں۔۔۔ یہ ساتھ واش روم ہے۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ ٹھیک کر کے آؤ پھر میں ثانیہ کو اندر بلاتا ہوں۔''

''کیا وہ بیچاری اب تک باہر انتظار کر رہی ہے؟؟''

''ہاں تو اور کیا۔''

''حد کرتے ہو عینکو۔۔۔ بیچاری تمہاری کزن ہے اور غیروں کے جیسے اسے انتظار کروا رہے ہو۔''

وہ اس کی ارے ارے نظر انداز کرتی آفس کا مین دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر رہ گیا۔ پھر خیال آنے پر عرفہ کا بیگ اٹھا کر ڈیسک سے نیچے رکھا، جو کہ کافی بھاری محسوس ہوا۔ تھوڑا سا اندر جھانکا تو اک جہاں آباد نظر آیا۔ پہلی نظر میرون کھسے پر پڑی۔

''بڑی ہی عجیب مخلوق سے واسطہ پڑ گیا، اب نہ جانے باہر کیا گل کھلاتی ہے۔''

تب ہی وہ ثانیہ کی ہمراہی میں اونچا اونچا بولتی ہوئی واپس آئی۔ جہانداد پر نظر پڑتے ہی حیرانی سے بولی۔۔

''ارے تم میٹنگ سے فارغ ہو گئے، چلو اچھا ہے۔ دیکھو تو ثانیہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

وہ اس کی ایکٹنگ پہ حیران رہ گیا۔ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

''اسلام علیکم ثانیہ سوری تمہیں ذرا انتظار کرنا پڑا۔''

''سوری کی تو کوئی بات نہیں، میں ہی بغیر اطلاع کے آ گئی تھی۔''

''ثانیہ ڈارلنگ ڈونٹ بی سو فارمل جہانداد تمہارا بھائی ہے، تمہیں اس سے ملنے سے پہلے کسی پیشگی اطلاع کی ضرورت نہیں ہے۔ پلیز بیٹھو اور مجھے بتاؤ آج کل کیا کر رہی ہو۔''

وہ پوری طرح چھا گئی تھی۔ جہانداد کو بات کرنے کا زیادہ موقع ہی نہ ملا۔

''ہم لوگ ڈنر باہر کر رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔''

عرفہ کی بات پر ثانیہ نے باری باری جہانداد اور عرفہ کے چہرے دیکھے۔

''نہیں میں آپ لوگوں کا پروگرام ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی۔ ویسے بھی میرا باہر کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہے۔''

آخر جہانداد بول ہی اٹھا۔

''کیا غیروں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم ہماری فیملی ہو۔ بھلا فیملی کی وجہ سے بھی کبھی کوئی ڈسٹرب ہوا ہے۔ باہر نہیں جانا کوئی مسئلہ نہیں ہم ادھر ہی کھا لیتے ہیں۔''

اس نے اپنی مرضی سے ہی کھانا آرڈر کر دیا۔

''تم لوگ گپ شپ لگاؤ میں جلدی سے مغرب کے فرض پڑھ لوں۔''

مزید کوئی موقع دیئے بغیر وہ واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ جہانداد کو یقین نہ آیا کہ آخر یہ کیا ڈرامہ ہے۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے جس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ پھر اسکو ثانیہ کے ساتھ چھوڑ گئی۔

''میں سوچ رہی تھی۔اتنی جلدی اور اچانک شادی جیسی تبدیلی کو نہ جانے آپ کیسے قبول کریں گے، مگر خوشی ہوئی کہ آپ دونوں کی تو بڑی اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ایسے لوگ واقعی خوش قسمت ہوتے ہیں، جن کو اپنی پسند کا ساتھی مل جائے۔''

جہانداد نے شکر کیا کہ مینیجر آ گیا تھا۔دو منٹ کے کام کو اس نے ثانیہ کی وجہ سے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر پانچ منٹ تک کھینچ دیا۔جب کھانا آیا، وہ بھی آ گئی۔دوپٹے کے ہالے میں چھپی بھیگے چہرے والی۔آتے ہی پہلے کھانا نکال کر سب کے سامنے رکھا۔پھر اپنی پلیٹ لیکر صوفے کے اوپر ٹانگیں کر کے چوکڑی مار کر بیٹھنے کے بعد ہاتھ سے دال چاول پر ڈھیر سا دہی اچار اور سلاد ڈال کر کھانے لگی۔

''ثانیہ تم کل ہمارے ولیمے پہ تو آؤ گی ناں؟''

ثانیہ شاید خود کو سنبھال چکی تھی۔

''مجھے کسی نے انوائیٹ ہی نہیں کیا۔''

''ارے کیسی باتیں کر رہی ہو۔پوری فیملی کو بتا رکھا ہے۔پھر بھی اگر تم سپیشل انویٹیشن چاہتی ہو تو ابھی لو۔''

پلیٹ میز پر رکھنے کے بعد اٹھی۔اپنا بیگ ڈھونڈا جو کہ میز کے پاس فرش پہ رکھا تھا۔مڑ کر دیکھتے ہوئے جہانداد کو ایک گھوری سے نوازا۔

''میرے بیگ میں دینیات کی کتاب ہے۔جسے تم نے ایسے اٹھا کر نیچے پھینک دیا ہے۔''

وہ حیران تو ہوا ہی پر شرمندگی بھی ہوئی۔

''مجھے علم نہیں تھا۔اور تم کھانا چھوڑ کر کیا ڈھونڈ رہی ہو؟؟''

وہ بیگ کو واپس ڈیسک پر رکھنے کے بعد اندر سے ایک گولڈن اور کالا کارڈ برآمد کرتے ہوئے، جہانداد کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

'بھئی یہ کارڈ اپنی طرف سے خاص طور پر ثانیہ کو لکھ کر دو۔''

جہانداد کے ہاتھ رکے۔معنیٰ خیز نگاہوں سے گہرائی تک بیوی کو جانچا جو کہ بڑی سنجیدہ نظر آئی۔ہاتھ بڑھا کر کارڈ پکڑ لیا۔

الٹا سیدھا کر کے کارڈ کو دیکھا کوئی تحریر پہلے سے موجود نہیں تھی۔ گولڈن اور کالے رنگ کے پھولوں کا فریم اور درمیان میں لکھنے کی جگہ خالی رکھی گئی ہوئی تھی۔

جہانداد نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے۔ اپنی جیب میں لگا قلم نکالا۔

''مسٹر اینڈ مسز جہانداد مرتضیٰ کی جانب سے آپ کو دعوتِ ولیمہ کا خاص پیغام دیا جاتا ہے۔ آپکی آمد سے ہمیں دلی مسرت حاصل ہوگی۔ منجانب (عرفہ اینڈ جہانداد مرتضیٰ)۔۔

کالی سیاہی والے قلم سے جہانداد کے ہاتھ سے لکھی وہ تحریر واقعی ثانیہ کے لیے خاص تھی۔ آنکھوں میں نمی لیے وہ کتنی دیر اس کی خوش خط لکھائی دیکھتی رہی۔ جہانداد سر جھکائے نادم سا بیٹھا تھا۔ عرفہ نے آگے بڑھ کر ثانیہ کو اپنے ساتھ لگا کر زور کی جھپی دی۔ ثانیہ نے سارے بند توڑ دیئے اور پھوٹ کر رو دی۔

جہانداد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ثانیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی کیونکہ اس سے زیادہ اس کے پاس ثانیہ کو دینے کے لیے اور کچھ نہیں تھا۔

رات کے بارہ بجے دونوں اکٹھے ہی گھر میں داخل ہوئے تھے جو آفس میں جہانداد اور ثانیہ کے درمیان آکورڈ صورتحال پیدا ہوئی خوب جی بھر کر رو لینے کے بعد ثانیہ شرمندہ سی نظر آ رہی تھی۔ اسی کو ختم کرنے کے لیے عرفہ نے فلم دیکھنے کا پروگرام بنا دیا۔ اس وقت وہ لوگ فلم دیکھنے کے بعد ثانیہ کو اسکے گھر چھوڑ کر آ رہے تھے۔

جہانداد خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بھی مائی ثریا کو کھانے کے بارے میں منع کرتی اوپر آ گئی۔ آج کا دن دونوں کے لیے ہی بڑا مصروفیت بھرا رہا تھا۔

فریش ہو کر قضا پڑھی۔ یونہی چہل قدمی کو بالکونی پر نکل آئی۔ خاموش چاندنی رات میں چلتی ہوئی دھیمی دھیمی پروا اپنے ساتھ مدھم سی ٹون لا رہی تھی۔ غور کرنے پر علم ہوا میوزک کی آواز اپنے ہی گھر میں سے آ رہی تھی۔

سوچے سمجھے بغیر کمرے سے نکل آئی۔ سیڑھیوں پر ابھی قدم رکھا ہی تھا۔ جب کونے والے کمرے کا دروازہ ہلکا سا وا نظر آیا۔ آواز وہیں سے آ رہی تھی۔

بلاشبہ وہ عابدہ پروین کی آواز تھی۔

تیرے غم کو جان کی تلاش تھی، تیرے جانثار چلے گئے

تیری راہ میں کرتے تھے سر طلب سرِ رہگذار چلے گئے
یہ ہمی تھے جن کے لباس پر سرِ راہ سیاہی لکھی گئی
یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سرِ بزمِ یار چلے گئے
تیری کج ادائی سے ہار کے شبِ انتظار چلی گئی
میرے ظرفِ حال سے روٹھ کے میرے غمگسار چلے گئے
نہ سوالِ وصل نہ عرضِ غم' نہ حکایتیں' نہ شکایتیں
تیرے عہد میں دلِ زار کے سبھی اختیار چلے گئے
نہ رہا جنونِ رخِ وفا' یہ رسم یہ دار کرو گے کیا؟؟
جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا' وہ گناہگار چلے گئے۔
تیرے غم کو جان کی تلاش تھی' تیرے جانثار چلے گئے
تیری راہ میں کرتے تھے سر طلب سرِ راہگذار چلے گئے

ایک ہی غزل دو تین بار دہرا دہرا کر لگتی رہی۔ دو دفعہ سننے کے بعد وہ سیڑھیوں سے اٹھی اور دھیمے دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی نیچے آئی۔

دروازہ ہلکا سا وا تھا، اس نے تھوڑا اور کھول کر اندر جھانکا۔

سارے پردے ہٹانے کے بعد کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اے سی فل سپیڈ پہ آن تھا۔ وہ خود آڑا ترچھا منہ کے بل بیڈ پر نہ جانے گرا ہوا تھا یا یہ کوئی خاص سونے کا انداز تھا۔ لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ جس کی میوزک فائل سے وہ غزل خود بخود بار بار چل رہی تھی۔

وہ بڑے معمول کے انداز میں اندر آئی۔ پردے برابر کیے، بغیر سوچے سمجھے جہانداد کے جوتے پھر موزے بھی اتار دیے۔

بے سدھ پڑے وجود نے تھوڑا احتجاج کیا۔

''کسی کی بے بسی کا فائدہ اٹھانا شرافت کا تقاضہ نہیں ہے۔''

اس کا سوال کرنا عرفہ پر ثابت کر گیا تھا۔ کہ وہ پوری طرح سے ٹن تو تھا، مگر غافل نہیں تھا۔

بڑے آرام سے بولی۔ ''جیسے کہ؟؟''

''جیسے کہ تم میری نیند کا فائدہ اٹھا کر میرے کمرے میں نظر آ رہی ہو۔ مجھے اجنبی لوگوں کا میری ذاتیات میں دخل دینا اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا۔ تو پھر پہلے خود کو میرا اجنبی ثابت کرو۔۔''

''عرفہ پلیز گیٹ آؤٹ آف مائے روم۔''

عرفہ نے جیسے سنا ہی نہیں۔ پہلے میوزک بند کیا۔ کمبل اسکے نیچے سے کھینچ کھانچ کر اسکے اوپر ڈال کر مین لائٹ بند کر دی۔ کمرے میں لیپ ٹاپ کی مدھم سی روشنی رہ گئی تھی۔

وہ لیپ ٹاپ گود میں لیکر وہیں صوفے پر جم گئی۔

زیر لب خود سے کہہ رہی تھی۔

''کسی بھی انسان کے بارے میں جاننا چاہو تو یا تو اسکا فون دیکھو یا پھر لیپ ٹاپ اور یہ جو آدمی ہے جہانداد اسکو جاننے کا اس سے اچھا موقع اور کب ملا گا۔ لیپ ٹاپ کھلا پڑا ہے۔''

میوزک فائل میں زیادہ تر ایسے ہی دکھی گانے تھے۔ زیادہ تو آفس ورک ہی محفوظ تھا۔

پھر نظر کے سامنے مائے لاسٹ ہیون کے نام سے ایک فولڈر آیا۔ جس پر اس نے کلک کیا۔ تو وہ فوٹو البم تھا۔ جس میں چار تصویریں ایک انتہائی خوبصورت خاتون کی تھیں۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ موٹی موٹی غزالی آنکھیں، خم دار ہونٹ، دھیمی سی تباہی مچاتی مسکراہٹ، جوڑے پر لگے موتیے کے پھول۔

''آخر کون ہے یہ حسینہ؟؟۔''

ایک دس گیارہ سال کا دبلا پتلا سا لڑکا۔ سبز شرٹ کے ساتھ نیلی نیکر پہنے ہوئے تھا۔ مگر سب سے زیادہ قابل توجہ اسکی آنکھوں کی خاموشی تھی۔ ایک جگہ وہ دس سالہ لڑکا اسی خوبصورت عورت کے ساتھ کھڑا تھا۔ اسکے علاوہ ایک مرد کی تصویر تھی۔ جسکے چہرے پر اگر داڑھی اور بال تھوڑے بڑے ہوتے تو وہ بنا بنایا جہانداد تھا۔ کیونکہ اسکی آنکھیں بھی لائٹ براؤن تھیں۔ اس نے وہ تمام تصویریں ای میل کے ذریعے اپنے ساتھ شیئر کرنے کے بعد

ہسٹری مٹادی۔
کچھ وڈیوز دیکھتے دیکھتے وہیں آنکھ لگ گئی۔



دل تمنا سے ڈر گیا جانم
سارا نشہ اتر گیا جانم

رات کو کمرے میں آتے ہی وڈکا کی آدھی سے زیادہ بوتل اندر چھینکتے ہی حواس پر سکون ہو کر نیند میں چلے گئے تھے۔کبھی کبھی تو وہ یہ بھی سوچتا کہ اگر یہ زہر بھی ایجاد نہ ہوئے ہوتے تو غم کے مارے کہاں جاتے۔

جب آنکھ کھلی تو سر بڑا بھاری محسوس ہوا۔عام طور پر شراب کی بدبو جینا حرام کرنے کا کام کر سکتی تھی۔مگر وڈکا کا یہ کمال تھا کہ سانس سے بدبو نہ آتی۔

سر ہاتھوں میں تھام کر بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔کمرے میں اندھیرا تھا اور اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ابھی تک کل والے کپڑوں میں ہی ملبوس تھا۔

اندھیرے میں ہی اندازے سے واش روم تک گیا۔

پورا آدھا گھنٹہ سر میں کھلا پانی ڈالنے کے بعد طبیعت پر اچھا تاثر پڑا تھا۔باتھ روم گاؤن اور سلیپر پہنے برآمد ہوا۔ایک تولیے سے بال رگڑتے ہوئے اپنے فون سے وقت دیکھا۔صبح کے پونے چار ہو رہے تھے۔

وہیں سے ڈریسنگ روم میں آیا۔لباس پہننے کے بعد باوضو ہو کر نماز ادا کی۔اپنے ماں باپ کے لیے خصوصی دعا کرتے ہوئے آج بھی ہمیشہ کی طرح آنکھیں بھیگ گئیں۔

کمرے میں واپس آ کر مین لائٹ جلائی تو سیدھی نظر صوفے پر گئی۔پہلے تو حیرت سے قدم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔پھر ماتھے پر تیوری آئی۔صوفے پر پڑی عرفہ کو دیکھتے ہی کل کے سارے واقعات ذہن میں ایک دفعہ پھر زندہ ہو گئے۔

یہ لڑکی اسکی نروز پر چھا رہی تھی۔جیسے کل ثانیہ والی صورتحال کو حل کیا۔وہ قابل تعریف تو تھا،مگر جورات اسکے کمرے میں آنے والی حرکت کی وہ جہانداد کی نظر میں درست نہ تھی۔''ایویں منہ اٹھا کر کسی مرد کے کمرے میں

چل دینا انتہا درجے کی بے وقوفی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اپنے اندر ہی کہیں سے آواز آئی۔" ہاں اگر وہ مرد اپنا شوہر ہو تو سب جائز نہیں؟؟" یہ شوہر بیوی یا چوہے بلی والا کھیل میں نہیں کھیل سکتا۔ آج کا دن نکل جائے آگے کا مستقل حل نکل آئے گا۔ آخر پیسہ لے چکی ہے،

پر ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ مجتبٰی چچا کے ساتھ اسکا کیا لین دین ہے؟؟ انکا رویہ اسکے ساتھ ایسا ہے۔ جیسے اسکو پہلے سے جانتے ہیں۔ سمجھ سے باہر ہے، ہو کیا رہا ہے۔ یہ لڑکی وہ مثال سچ کر رہی ہے کہ آپ مجھے بیٹھنے کی اجازت دیں۔ لیٹنے کی جگہ میں خود بنا لونگی۔ پرسوں تک میری زندگی میں دور دور تک اسکی سوچ، گنجائش کچھ نہ تھا اور آج جگہ بنا رہی ہے، جڑیں بڑی تیزی سے پھیلا رہی ہے۔"

چلتا ہوا اسکے سر پر آیا۔

"تم جس کسی مشن پر ہو پتا تو لگ ہی جانا ہے۔ چلو دیکھتے ہیں ڈرامے کا ڈراپ سین کیا ہوتا ہے۔"

اس کے اوپر کمبل ڈال کر خود باہر نکل آیا۔

مائی ثریا با ہر ہال میں ہی جائے نماز بچھائے اپنی حاضری دینے میں مشغول تھیں۔

یہ اسکا ہزار دفعہ کا دیکھا منظر تھا، مگر ہر دفعہ دل میں عجیب سا سرور اترتا، کسی اور کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

کچن سے اپنے لیے کافی کا بڑا سا مگ بنا کر لان میں نکل آیا۔ جہاں ہلکی ہلکی پو پھوٹنے کے ساتھ چڑیوں کا شور، گھروں میں سب افراد کے ابھی محوِ خواب ہونے کی وجہ سے فضا میں خاموشی کا راج تھا۔

وہیں گیراج کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر کافی کا کپ ختم کیا۔

تھوڑی دیر بعد معمول کی طرح مائی ثریا اسکے ٹریزز اور ہیڈ سیٹ سمیت ایم پی تھری پلیر لا کر اسکے قریب رکھ کر کافی کا خالی کپ اٹھا لے گئیں۔

سلیپرز اتار کر ایک طرف رکھے۔ ٹریزز پہن کر چہل قدمی کرتا کانوں میں ہیڈ سیٹ لگا کر گیٹ سے باہر نکل گیا۔ تیز میوزک دو گز دور کھڑے انسان کو بھی صاف سنائی دیتا۔ دو تین منٹ تک تیز تیز قدم اٹھانے کے بعد دوڑنا شروع ہو گیا۔ پورے تیس منٹ بعد اپنے سارے علاقے کا ایک بڑا سا راؤنڈ لگا کر واپس آیا تو ٹی شرٹ پسینے سے بھیگی ہوئی اور سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

کمرے کے دروازے سے داخل ہونے سے پہلے ہی شرٹ کو کھینچ کر اتارنے کے بعد ہاتھ سے گولا بنا کر بیڈ پر پھینکا۔ ساتھ ہی ہیڈ سیٹ اور ایم پی تھری پلیر گیا۔ اسکا رخ ڈریسنگ روم کی جانب تھا۔ جب اپنے پیچھے ہونے والی سرگوشی نے یاد دلوایا کہ وہ کس کی موجودگی کو فراموش کر گیا تھا۔

''ایک جج اتنا صبح خیز ہے۔ اتنا ایکٹیو لائف سٹائل لیڈ کر رہا ہے۔ پھر اسکے باوجود جج کیوں ہے؟؟۔''

کمبل اتار کر صوفے سے اٹھی جہانداد کی اس جانب پشت تھی۔ جو کچھ عرفہ کی پھٹی آنکھوں نے دیکھا۔ حیرت وصدمے سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

جہانداد کو یک دم چھانے والی خاموشی کی وجہ بن پلٹے بھی معلوم تھی۔ تیزی سے واش روم میں بند ہو گیا۔ کتنی دیر تک بند دروازے سے سر ٹکا کر اذیت سے آنکھیں میچ کر لمبے لمبے سانس بھرتا رہا۔

باہر کھڑی عرفہ مرے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل۔ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس وقت ذہن کی سلیٹ پر ہزاروں سوال اٹھے تھے۔ جنکا جواب زندگی سے شاید ہی ملتا۔

☆......☆......☆

دل کو اِک بات کہہ سنانی ہے

ساری دنیا فقط کہانی ہے ☆

کریم رنگ کی فل سلیوز والی میکسی جس کے گلے اور بازؤں پہ سیم رنگ کا کام تھا۔ مگر نیچے گھیر پر سارا بارڈر سکن رنگ کے دبکے اور نگوں کا تھا۔ دوپٹہ سارا کھلا ہوا آتشی سرخ شیڈ میں تھا۔ مگر دوپٹے کے چاروں اور سکن رنگ کا بارڈر تھا۔ اسی طرح کہنی سے نیچے سے بازو اور میکسی کے نیچے لہنگے کا رنگ بھی آتشی سی شیڈ مارتا سرخ ہی تھا۔ میکسی کی شیپ فگر کے مطابق بالکل سلم فٹ تھی۔ برائیڈل میک اپ کے ساتھ ریڈ لپ سٹک۔ بال بالکل بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ دوپٹے کا ایک پلو سر پہ تھا۔ دوسرا آگے کی جانب لڑھکا کر دائیں بازو پر لپیٹا ہوا تھا۔ دایاں کان تو نظر نہیں آرہا تھا۔ بائیں کان میں بڑے سرخ نگوں والے وائیٹ گولڈ کے بندے تھے۔ جن کے ساتھ کا ہی سیٹ اور ماتھے کا ٹیکہ تھا۔ اتنے ہار سنگھار کے باوجود وہ اس وقت پورے غصے سے بھری بیٹھی تھی۔

''رفاقت اسکا فون کیوں بند جا رہا ہے؟؟''

''میں خود ٹرائی کر رہا ہوں جی آفس جا کر پتا کرتا ہوں۔ آخری اطلاع کے مطابق وہ ادھر ہی دیکھے گئے ہیں۔''

''نہیں تم نہیں جاؤ، میں خود جاتی ہوں۔''

وہ لہنگا سنبھالتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی۔

''آپ اس طرح میرا مطلب ہے کہ آپ کے لیے جانا مشکل ہوگا، میں جاتا ہوں، فکر نہ کریں انکو لیکر ہی آؤنگا۔''

''میں نے کہا ناں کہ خود جاؤنگی، بات ختم تم ہوٹل چلے جاؤ اگر وہ ملا یا نہ میں سیدھی ادھر ہی آؤنگی۔ اتنی دیر میرے مہمانوں کا خاص خیال کرنا۔''

رفاقت کندھے اچکا کر رہ گیا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی گاڑی تک آئی۔ ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اسکے بیٹھنے کے بعد احتیاط سے دروازہ بند کرنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

''اپنے صاحب کے آفس چلو۔''

پندرہ منٹ بعد گاڑی آفس کے باہر تھی۔ اس نے شیشہ نیچے گرا کر چوکیدار کو مخاطب کیا۔

''کیا جہانداد آفس میں ہے؟؟۔''

''ہاں جی سارا سٹاف جا چکا ہے پر صاحب اندر ہی ہیں۔''

اس نے ڈرائیور کو اشارہ کیا گاڑی آگے لے جائے۔

سیڑھیاں چڑھنا تو عذاب ثابت ہوا۔ اس نے لفٹ کا سہارا لیا۔

مطلوبہ فلور پر پہنچی تو جہانداد کی پی اے اسمارہ اس کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی۔

''آہ مائی گاڈ ہاؤ رومینٹک۔۔۔۔!! آپ سر کو لینے آئی ہیں؟؟۔''

''اسکا مطلب ہوا کہ وہ اندر بیٹھا ہوا ہے، اسکو تو میں دیکھ لیتی ہوں، تم بتاؤ تم کیوں نہیں گئی ہو۔؟؟''

''میم میں تو مر کر بھی ایسا موقع مس نہ کرتی پر سر نے چھٹی دینے سے منع کر دیا، باقی کے سٹاف پر بھی غصہ

ہیں۔"
"تمہارے اس سڑے ہوئے سر کی ایسی کی تیسی، میں کہہ رہی ہوں۔ابھی کہ ابھی فوراً نکلو۔نیچے ڈرائیور کھڑا ہے اسکے ساتھ چلی جاؤ۔میں بھی اپنی زوجہ کو منا کر آتی ہوں۔"
اسارہ فلک شگاف قہقہہ لگاتی ہوئی۔ڈیسک سے اپنا بیگ پکڑ کر بھاگ گئی۔
کف فولڈ کیئے ہوئے تھے۔لیپ ٹاپ پر تیزی سے چلتی انگلیاں مطلوبہ ای میلز ٹائپ کرنے میں مصروف تھیں۔
دروازہ بغیر ناک کیئے کھلا جس پر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ہاتھ تھم گئے۔نظر ادھر دروازے کے پاس ہی رک گئی۔ایک ہاتھ میں اپنا ہیل والا جوتا پکڑے دوسرے ہاتھ میں بھاری لہنگا تھامے سامنے سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔
"اپنی زندگی میں پہلی دفعہ' پہلی دفعہ اور شاید آخری دفعہ میں اس قدر امیر ہوئی ہوں۔اتنے دل سے،خوشی سے،اتنی تیار ہوئی ہوں۔کیا تم سے میری ایک دن کی خوشی نہیں دیکھی گئی؟؟ کیا بیر ہے میرا تمہارا جو یوں میرے معصوم بچوں کو ادھر ہال میں انتظار کی تکلیف سے گزار رہے ہو؟؟ تمہارے سینے میں دل ہے یا پتھر کا ٹکڑا جو تمہیں حسن کا بہتا دریا نظر نہیں آ رہا۔میں آ گئی ہوں میرے سلیم میں آ گئی ہوں۔"
"کیا واہیات فلمی ڈائیلاگز بول رہی ہو۔"
"وہ اصل میں اتنی اچھی لگ رہی ہوں ناں کہ خود بخود انارکلی ٹائپ فیلنگ آ رہی ہے۔"
"محترمہ خوش فہمی کی بھی حد ہے۔۔۔"
سہل سہل کر چلتی ٹیبل کو کراس کر کے عین اسکے سامنے آئی۔
"دیکھو ذرا غور سے میری آنکھوں میں اور کہو کہ پیاری نہیں لگ رہی ہوں؟"
جہانداد نے کرسی موڑ کر اپنا رخ اسکی جانب کیا۔پیچھے کو ٹیک لگا کر سر سے لیکر پاؤں تک اک نظر دیکھنے کے بعد ہونٹ پھیلا کر کندھے اچکائے۔
"چلو بھئی مان لیا، پیاری لگ رہی ہو۔"

ساتھ ہی واپس اپنی سابقہ حالت میں چلا گیا۔

''صدقے جاؤں اتنی جلدی ہار گئے ہو؟؟''

''میں چونکہ تمہارے ساتھ کوئی کسی قسم کا کھیل نہیں کھیل رہا ہوں۔ اسلیئے ہار جیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ بتاؤ یہاں کیوں آئی ہو۔ پہلے ہی میرے سارے سٹاف کو مدعو کر کے تم نے میرا اچھا خاصہ نقصان کروایا ہے، ولیمہ تمہارا تھا، ان لوگوں کا وہاں کیا کام بنتا ہے۔''

''بدقسمتی سے میرا ولیمہ تمہارے سٹاف کے باس کے ساتھ ہے، تم یہ سب ڈرامہ کیوں کر رہے ہو؟؟ میرا ایک سیدھا سا کوئی دو چار مہینے کا پلان ہے،۔ جیسے ہی تمہاری اس چڑیل چاچی کو ہارٹ اٹیک آتا ہے۔ میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤنگی۔ اللہ اللہ خیر سلہ۔۔۔''

وہ بولا کچھ نہیں بس اپنے سامنے والا دراز کھول کر ایک کاغذ نکال کر اسکے سامنے میز پر ڈالنے کے بعد اسکی جانب پین بڑھانے کے بعد بولا۔

''اگر ایسی بات ہے تو کروان طلاق کے پیپرز پہ سائن۔''

''یہ طلاق کے کاغذات ہیں؟؟ کس نے بنوائے اور کب؟؟''

''ظاہری بات ہے کہ میں نے ہی بنوائے ہیں۔ کب کیوں کیسے سارے سوال فضول ہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ مجھے یہ ثبوت مل جائے کہ تم جلد ہی میری جان چھوڑ دوگی۔ میں بخوشی تمہاری پارٹی میں شریک ہو جاتا ہوں۔ اگر نہیں تو باہر کے راستے سے تم واقف ہی ہو۔''

کچھ پل وہ اسکو تولتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''یہ تم ہمیشہ سے ہی اتنے کمینے ہو یا کہ مجھ سے ملنے کے بعد ہوئے ہو؟؟''

''ہاں بھی اور نہیں بھی، شرط رکھ کر بات کرنا تم۔ سے سیکھا ہے۔''

''پھر مانتے ہوناں مجھے اپنا استاد۔۔۔ اسی بات پر دو تالی۔۔۔''

جوش سے اسکے سامنے ہتھیلی پھیلا کر منتظر ہوئی۔ جہانداد نے مصنوعی مسکراہٹ دکھاتے ہوئے اپنی دو انگلیاں اسکے ہاتھ سے ہلکا سا مس کیں۔

''توبہ ہے بھئی تم تو حد سے زیادہ ڈرپوک ہو۔اچھالاؤ دو پین۔۔۔''

اس نے سائن کیے۔جہانداد نے پیپر ایک دفعہ پڑھا۔واپس دراز میں ڈالنے کے بعد اسکی جانب دیکھا۔

''ایک اہم سوال۔۔۔میری چچی کے تم خلاف ہو، چاچو کے ساتھ اتنی دوستی کیسے؟

وجہ؟؟''

'' کچھ زیادہ جلدی ہی ہوش نہیں آگیا۔اتنے مناسب وقت پر سوال پوچھ رہے ہو۔ادھر مہمانوں سے بھرا ہال بھوک کے مارے ہمارے پرکھوں کو کوس رہا ہوگا۔

اس لیئے یہ انٹرویو کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھو۔ابھی فوراً نکلو ورنہ کہیں مجھے تمہیں اغوا ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

☆......☆......☆

وہ گاڑی خود چلا کر اس کے ہمراہ ہال پہنچا تو ایک طرح کا جھٹکا ہی لگا۔اتنا بڑا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔جہاں اس کے آفس کا سارا اسٹاف تھا۔وہاں لاتعداد ایسے چہرے تھے۔جنہیں وہ آج سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔

تمام شو کو ہوسٹ فائزہ کر رہی تھی۔

سارے ہال میں گول میز لگائے گئے ہوئے تھے۔ہر میز کے گرد آٹھ کرسیاں تھیں۔ساری ڈیکوریشن کریم اور سرخ گلاب سے کی گئی ہوئی تھی مگر قابلِ توجہ میوزک سسٹم تھا۔جس کے پیچھے ڈی جے کی شکل میں ایک اٹھارہ انیس سالہ لڑکی کھڑی تھی۔

اس سارے میں اگر مزے کے تاثرات کسی کے چہرے پر نظر آرہے تھے تو وہ فردوس مجتبیٰ تھیں۔جنکو اتنے لوگ دیکھ کر ہی متلی ہو رہی تھی۔اوپر سے سب تھے بھی تھرڈ کلاس غریب غربا۔۔۔۔ہنہ۔۔۔

وہ جہانداد کے ہمراہ سٹیج پر آئی تو فائزہ نے مائیک اسکے حوالے کیا۔

''آہم آہم۔۔۔۔اسلام علیکم۔۔۔گڈ ایوننگ اینڈ آ ویری وارم ویلکم ٹو یو آل۔۔۔۔ہماری طرف سے آپ سب لوگوں کا شکریہ جو آج یہاں تشریف لائے۔ہمارے درمیان اس وقت ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں کہ جنکو یہاں دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہے اسکا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں۔فکر نہ کریں میں کوئی بہت لمبی چوڑی تقریر

کر کے آپ سب کو ہرگز بھی بور کرنے نہیں آئی ہوں۔بس تھوڑا سا تعارف دینا چاہتی ہوں۔"

"میں عرفہ ہوں۔اگر آپ آج سے دو دن پہلے مجھ سے کہتے کہ کون عرفہ؟ تو میرا جواب ہوتا۔عرفہ عرفہ۔۔۔گمنام عرفہ بے نام ونشان عرفہ اور یہ سب کہتے یا بتاتے ہوئے مجھے کوئی شرمندگی نہ ہوتی۔کوئی دکھ نہ ہوتا۔کیونکہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی محرومیوں کو اپنی کمزوری بتاتے یا سمجھتے ہیں۔بلکہ میں اس سے الٹ کرتی ہوں۔ساری زندگی اس کے الٹ کرتی آئی ہوں۔میں اپنی محرومیوں پر بند دروازے کے پیچھے تکیے میں منہ چھپا کر رونے والوں میں سے نہیں ہوں بلکہ بھرے مجمعے میں اپنے آپ پر ہنس کر خود کو اٹھانے والوں میں سے ہوں پر یہ سب کل کی بات تھی۔آج میں بڑے فخر سے کہہ سکتی ہوں۔میں بغیر حوالے والی عرفہ نہیں رہی ہوں۔آج میں عرفہ جہانداد ہوں۔یہ شخص جو آپکے سامنے بیٹھا ہوا ہے ناں۔۔۔آج بالوں میں ہیر کیچ ہے مگر عام طور پر پونی پہنتا ہے۔آنکھوں پر چشمہ میں خود بھی لگاتی ہوں مگر اسکے چشمے کا نمبر میرے سے بڑا ہے۔آج صبح ہی میں نے لگا کر چیک کیا تھا۔دیکھنے میں یہ شخص لبڑ سا ہی لگتا ہے مگر یقین مانیں اسکا دل بڑا خوبصورت ہے۔"

"یہ مجھے ایویں ہی مل گیا ہے۔میری استانی ایک بات کہا کرتی تھیں کہ زندگی میں انسان کو موقعے تو شائد کئی مل جائیں پر اچھے لوگ خوش قسمتی سے کبھی کبھار ہی ملتے ہیں۔اگر مل جائیں تو انہیں جپھی ڈال کر پکڑ لو جانے نہ دو۔۔۔"

"میں نے بھی یہی کیا ہے۔اصل میں مجھے یہ آدمی ایک ٹاسک کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔میرے ذمے لگایا تھا کہ مجھے اسکو بھری محفل میں الزام لگا کر بدنام کرنا ہے اتنا کہ یہ خود اپنی نظروں کے ساتھ ساتھ کچھ اور لوگوں کی نظروں میں بھی گر جائے اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ مجھ جیسی منہ پھٹ، بے باک لڑکی کے لیے یہ کام کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔جب بہت زیادہ مجبور کیا گیا تو میں نے سوچا جو ایسا کروانا چاہتی ہے وہ پارٹی کوئی اتنی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔کیوں نہ اس آدمی کے بارے میں ہی ریسرچ کی جائے، آخر ایسا کیا ہے اس میں جو کوئی اسکو برداشت کرنے سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔"

"خواتین وحضرات تین سال کا بچہ جس کے والد کا انتقال ہوا گھر میں کمانے والا نہ رہا۔ماں کے پاس واجبی سی تعلیم ہے، جو کہ جدید دور کے ہنر سے واقف نہیں۔ڈگری کے بغیر کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں، آجا کر ایک ہی

نوبت آجاتی ہے کہ یا تو لوگوں کے گھر میں کام کرو یا کپڑے سیو یا پھر سوالی بن کر رشتہ داروں کے دروازے کھٹکھٹاؤ۔ مگر جب اللہ نے خودداری کی دولت سے مالا مال کیا ہو تو انسان کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا پاتا۔ جب آپ کی اپنی فیملی نے سپورٹ نہ کی۔ شوہر کی فیملی کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اتنے بڑے گھر کی بہو ہو کر یہ عورت کسی کے گھر ملازمت کرے۔ ساس سسر ساتھ لے آئے اور لاکر بھول گئے کہ ایک جیتا جاگتا وجود ہے، جسکی اپنی خواہشات ہیں۔ کچھ خواب ہیں۔ اپنی اولاد کو لیکر کئی ارمان ہونگے۔ یہاں جو بہو طاقت ور تھی۔ وہ چھا گئی جیٹھانی کو نوکرانی بنالیا۔ دن رات کولہو کے بیل کی طرح جوت کر رکھا۔ پہننے کو اپنا اترن دے دیا جاتا۔ کھانے کو اپنا بچا کھچا۔ اسی طرح زندگی کے سات سال گزرے مگر تھکا ہوا وجود ہار گیا، ہمیشہ کے لیے سکون کی نیند سو گیا۔“

”اس عورت کا بیٹا بڑا ہوا، ڈٹ کر تعلیم حاصل کی اور چچا کا کاروبار سنبھال لیا۔ ایمانداری اس انتہا کی کہ ایک ایک پائی کا حساب لکھتا ہے۔ آفس میں بدلے جانے والے بلب تک کا حساب کاغذوں میں موجود ہے۔ اسکے آفس میں جاکر دیکھیں آپ کو ننانوے فیصد وہاں پر عورتیں کام کرتی نظر آئیں گی۔ جن میں زیادہ تعداد بیوہ خواتین کی ہے۔ ان کے بچوں کی تعلیم اس ادارے کے ذمے ہے۔ تمام ورکرز کی فیملیز کا میڈیکل فری ہے۔ پرانے ورکرز کو ادارہ پینشن بھی دیتا ہے۔ اسکے علاوہ اسکیل سینٹرز قائم ہیں جہاں پر بچیوں اور بچوں کو انکے فری وقت میں شارٹ کورسز کروائے جاتے ہیں۔ جو کہ سب انکی عملی زندگی میں روزگار کمانے میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ میرے پاس بڑی لمبی لسٹ ہے۔ مگر اس وقت صرف یہ بتانا چاہونگی کہ جب میں نے اسکے بارے میں سب جانا تو سیدھی اسکے چچا کے پاس گئی، وہ اسکا واحد سچا رشتہ ہے۔ سیٹھ مجتبیٰ اس وقت یہاں موجود ہیں۔ ان سے آپ سب ہی تقریباً واقف ہیں۔ جہانداد صرف انہی کی سنتا ہے کیونکہ انکو اپنا باپ مانتا ہے۔ میں نے مجتبیٰ سر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جہانداد کو مانگا تھا۔ مجھے میرے الفاظ یاد ہیں۔“

”میں نے کہا تھا۔ سر میری زندگی میں کوئی قابل فخر چیز نہیں ہے جو کہ مجھے عام لوگوں سے منفرد بنائے۔ جس پر مجھے فخر ہو۔ میں محنت کرنا جانتی ہوں۔ انسانی سہاروں پر میں نے کبھی انحصار نہیں کیا۔ آج سے پہلے میں نے کبھی شادی کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ شادی کرنی ہی نہیں تھی، پلان کا حصہ ہی نہ تھی مگر اس دن نیا پلان بنا جس کے مطابق شادی کرنی لازم ہوگئی اور وہ بھی اس شخص سے! اسکی مرضی کے خلاف مگر اسی کی رضامندی سے

نکاح ہوا۔ نکاح کرتے وقت نہ یہ غصے میں تھا نہ ہی بے بسی کی تصویر تھا بلکہ اپنے باپ کے اشارے پر عمل کرتا ہوا۔ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق۔۔۔۔"

"اب یہ ہوش میں آنے کے بعد آپریشن کے سائیڈ افیکٹس سے گزر رہا ہے تو سوچتا ہے کہ سب اچانک کیسے ہو گیا، پر ڈارلنگ ایک بات تمھیں یاد رکھنا پڑے گی زندگی میں کوئی ریورس گیئر نہیں ہے نہ ہی کوئی آٹو میٹک بٹن۔"

"بات کافی لمبی ہوتی جا رہی ہے اسلیئے اس قصے کو یہاں چھوڑ کر آپ لوگوں کا آپس میں مختصر تعارف کروا دیتی ہوں۔"

"یہاں جہانداد کا سٹاف موجود ہے۔ اسکے علاوہ اسکی قریبی فیملی کے لوگ، میری طرف سے میرے ہاسٹل کا سٹاف اور تقریباً سو سے زیادہ لڑکیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آشیانہ جو کہ ایک یتیم خانہ ہے، وہاں کے سب بچے ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ انکو آپ میرا میکہ کہہ سکتے ہیں۔ اینڈ پر سٹریٹ سٹارز کے نام سے چلنے والی چیرٹی کے لوگ اور انکے بچے موجود ہیں۔ جو پھر میرا میکہ ہیں۔ ہمارے ساتھ سپیشل بچوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔"

"سب بچوں سے میرا سوری تم لوگوں کو اپنی باتوں سے اتنا بور کیا۔ اب مزید نہیں کرونگی۔ کھانا سرو کیا جانے لگا ہے۔ پہلے کھانا کھایئے اسکے بعد مزید انٹرٹیمنٹ کا انتظام ہے۔ ایک دفعہ پھر آپ سب کا شکریہ۔۔۔"

وہ واپس مڑ کر اپنی جگہ پر بیٹھی جہاں صوفے کی ایک سائیڈ پر وہ براجمان تھا۔ ٹائی کے بغیر کریم رنگ کا فل ڈنر سوٹ ساتھ براؤن جوتے پہنے ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھا بالکل سامنے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔

ایک فرد اس ساری کارروائی کے دوران وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا۔ جسکا حوالہ دیتے ہوئے عرفہ نے بات کا آغاز کیا۔

"تمہاری چچی کو آدھا ادھورا سچ ہی برداشت نہیں ہوا، اگر میں پورا کھاتا کھول دیتی تو کیا بنتا؟؟۔"

وہ جبڑے سختی سے بھینچے سامنے کی جانب ہی دیکھتا رہا۔ پھر ہونٹوں کو چباتے ہوئے اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں اور داڑھی پر دایاں ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ڈیر مس عرفہ کاغذ کا ایک بے جان ٹکرا تمہیں میری زندگی پر اتنا بڑا اختیار دان نہیں کرتا کہ جو باتیں میں اپنی

ذات سے بھی نہیں کرتا، تم نے انگویوں بھری محفل میں اچھال دیا۔ اب مجھ سے کیا توقع کر رہی ہو؟ کیا میں تمہارے اس کارنامے پر تمہیں گارڈ آف آنر پیش کروں۔؟“

عرفہ پر کاٹ دار نظر ڈالی۔

”جو عورت اٹھ کر یہاں سے چلی گئی ہے۔ میرے ساتھ نفرت میں اس نے کبھی جھوٹی محبت یا ہمدردی کا بھی تڑکا نہیں لگایا۔ میں اس جیسا کھرا بندہ نہیں ہوں۔ اسلیے ابھی تک ادھر بیٹھا نظر آ رہا ہوں، ورنہ کب کا اٹھ کر جا چکا ہوتا۔ مروت انسان کو گھن کی طرح کھاتی ہے اور پھر ایک دن پوری طرح مار دیتی ہے۔ مجھے بھی اس وقت مروت مار رہی ہے۔ اتنے سارے لوگوں کے درمیان سے اکڑو خان بن کر تن فن کرتا ہوا غائب نہیں ہو سکتا ہوں اسلیے متبادل ڈھونڈتے ہیں۔ فرار نہیں تو سٹرونگ سی ڈرنک ہی سہی۔ آئی ڈیسپرٹلی نیڈ آ ڈرنک۔۔“

عرفہ نے پہلے نفی میں سر ہلایا، پھر اسکو گھورا۔

”کم از کم آج تمہیں شراب کے پیچھے چھپنے نہیں دونگی۔۔“

وہ دھیمی سی طنزیہ ہنسی ہنسا۔

”گریٹ۔۔۔۔!! جیسے میں سدا سے تمہاری مرضی کا ہی تو غلام ہوں، یہ رفاقت کا بچہ کدھر ہے، نظر نہیں آ رہا۔“ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سارے ہال کا جائزہ لیا۔

”رفاقت کسی خاص مہمان کو کمپنی دے رہا ہے۔“

کھانا کھایا جا چکا تو بہت سے مہمانوں نے سٹیج کا رخ کیا۔ پھر اگلے دو گھنٹے تک تعریفی جملے، ستائیشی نظریں، ہلکے پھلکے مذاق سبھی چلتا رہا۔ گروپ فوٹوز، سنگل شوٹ، بچوں کے ساتھ سیلفیاں۔۔ میوزک پر بے ہنگم ڈانس، شور، ہلا گلا۔۔ وہ فل مستی گروپ کے ساتھ تھی۔ جبکہ جہانداد ذرا بڑی عمر کے سنجیدہ طبقے سے محوِ گفتگو رہا۔ اس سارے وقت میں اسکی نظریں مسلسل رفاقت کی تلاش میں بھی گھومتی رہیں، جو کہیں نظر نہ آیا، یہاں تک کے آہستہ آہستہ مہمان جانا شروع ہو گئے۔ انہوں نے کسی سے کسی قسم کی سلامی وغیرہ قبول نہیں کی تھی، البتہ چیزوں کی صورت میں جو گفٹ موصول ہوئے انہیں قبول کرنا پڑا۔ ثانیہ اسکے لیے گولڈ کا سیٹ لائی تھی۔ مجتبیٰ تو پہلے ہی دونوں کو گھر اور مِل دے چکے تھے۔ اس وقت اپنی اور فردوس کی جانب سے خوبصورت سا بریسلیٹ دیا، اسی

طرح انکی بڑی بیٹی اور بیٹے نے بھی گفٹ ہی دیئے۔

آخر میں مجتبیٰ اور فیملی کو خدا حافظ بول کر وہ لوگ اپنی گاڑی کی جانب آئے۔

''میری سمجھ سے باہر ہے۔یہ آدمی مرا کہاں ہوا ہے۔؟؟''

''کون؟؟؟رفاقت؟؟۔''

''ہاں تو اور کون ہوگا۔میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔اتنے نازک وقت میں وہ مجھے چھوڑ کر کہاں بیٹھا ہوا ہے۔میرے فون کی تو بیٹری ہی آؤٹ ہے۔''

''جہانداد گھر چلو۔۔۔رفاقت گھر پہ ہی ہے۔''

اس نے چونک کر ناگواری سے اپنے برابر بیٹھی عرفہ کو دیکھا۔جو جوتے اتارنے کے بعد پاؤں سیٹ کے اوپر کر کے ہاتھوں سے پیر دبا رہی تھی۔

''کیا مطلب؟؟کیا تم نے اسے بلایا نہیں تھا۔؟؟۔''

''سارے انتظامات کرنے والا ہی وہی ہے،نہ بلانے والی کوئی بات نہیں،اسکو ضروری کام تھا۔اسلیئے جانا پڑا۔''

اگلا سارا رستہ خاموشی میں کٹا۔البتہ دل ہی دل میں وہ بڑی پرجوش تھی۔ابھی تک جو سنبھل کر کھڑا تھا۔اب اسکو بولڈ آؤٹ کرنے کے لمحات قریب تر آگئے تھے۔جہانداد کا ردعمل سوچ کر ہی اسکو گدگدی ہونے لگی۔

گھر پہنچ کر ابھی وہ لوگ ہال میں ہی داخل ہوئے کہ جب اندر سے باتوں کی آواز نے توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔

مائی ثریا کے علاوہ دوسرے ملازم بھی منظر سے غائب تھے۔آوازیں چونکہ جہانداد کے کمرے سے آرہی تھیں۔اسلیے وہ الجھن سمیت لمبے ڈگ بھرتا ادھر کو ہی گیا۔پیچھے پیچھے وہ ننگے پیروں چلتی ہوئی مسلسل مسکرا رہی تھی۔وہ پلٹ کر اسکی جانب دیکھتا تو نوٹ کرتا۔اپنے کمرے کے دروازے میں پہنچ کر بت بن گیا۔وہ جو اسکے پیچھے تھی۔اسکی سائیڈ سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔

''اسلام علیکم نانی۔۔۔۔!!!۔''

سرخ وسفید سراپا' بے بی پنک رنگ کے پرنٹیڈ جوڑے پر سفید ململ کا کڑھائی والا دوپٹہ اوڑھے۔دوپٹے میں سے سر کے مہندی سے رنگے بال نظر آرہے تھے۔ دانتوں پر داتن آنکھوں میں سرمہ گورے گورے گول ہاتھوں کے ناخنوں پر بھی مہندی کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ بیڈ پر تکیے کے ٹیک کے ساتھ بڑی تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ان دونوں کو دیکھتے ہی یہ اتنی بڑی پر شفیق مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔

''ماں صدقے سو بسم اللہ وعلیکم اسلام۔۔۔آ گئے میرے بچے۔۔میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔۔''

وہ یوں انکی کھلی بانہوں میں سمائی جیسے جانے کب کی بچھڑی مل رہی ہو، حالانکہ وہ آج پہلی مرتبہ انکے روبرو ہوئی تھی اور جو سالوں سے انکو جانتا تھا۔نظروں میں سخت اذیت لیے بے یقینی سے بس ان کو دیکھے جارہا تھا جو عرفہ کا چہرہ چوم رہی تھیں۔اس دوران سارے ملازم جو وہاں بیٹھ کر گپیں لگا رہے تھے۔ایک ایک کر کے نکل گئے۔

''کیا اب دروازے میں کھڑے رہو گے، ماں سے نہیں ملو گے۔''

ان کی بات پر بڑی تکلیف دہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ملنے کا مرحلہ دوسرا ہے، پہلے خود کو یقین تو دلوا لوں کہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا ہوں۔''

وہ شفقت سے مسکرائیں۔

''میری جان' میرے جہانداد' تمہاری یہ بوڑھی ماں آج برسوں بعد خود سے کیا ہر عہد توڑ کر تمہارے پاس آئی ہے۔میرے سینے سے لگو تا کہ میرے اندر جلتے دکھوں کے تندور پر کچھ تو شبنم کے چھینٹے پڑیں۔''

عرفہ دم بخود کھڑی اس مضبوط نظر آنے والے جوان مرد کو دیکھ رہی تھی، جو آنکھوں میں گہری لالی لیے اب بھی بے یقین سا کھڑا تھا۔دھیمے سے چلتا بیڈ کے قریب گیا اور کسی بچے کی طرح انکی گود میں سما گیا، جو والہانہ انداز میں اسکی پیشانی، بالوں اور چہرے کو چوم رہی تھیں۔اسکی آنکھوں سے نکلنے والے خاموش آنسوؤں کو اسی خاموشی سے اپنے پلو میں سمیٹتی جاتی تھیں۔

''جہانداد مجھے تم سے میری صبا کی خوشبو آ رہی ہے۔میری بدنصیب بیٹی۔۔۔کاش اس نے اپنی بدنام ماں کی بدنام کوٹھڑی کی بجائے۔اپنے عزت دار باپ کی عزت دار چاردیواری میں آنکھ کھولی ہوتی تو میری تجھے وہ دن نہ دیکھنے پڑتے جو تم نے دیکھے۔''

دونوں ہی ایک دوسرے کو اپنے آپ میں سمیٹ کر رو رہے تھے۔

''لوگ ساری عمر میرے بچے کو طعنے دیتے رہے کہ وہ ایک طوائف کا بیٹا ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے۔ میری صبا نے اپنی ساری زندگی سوائے تیرے باپ کے کسی اور مرد کو نہیں دیکھا۔ میں نے تو اسکو سرد و گرم ہوا سے بھی بچا کر رکھا تھا کیونکہ وہ حلال کا نطفہ تھی۔ وہ ایک ایمان دار کا خون تھی۔ میری بچی نے نہ ساری زندگی حرام کھایا نہ حرام پہنا۔ وہ تو بڑی منفرد تھی۔ پر ہمارے لوگوں نے اسکو ان گناہوں کی سزا دی جو اس نے کیئے ہی نہ تھے۔''

جہانداد کا چہرہ پوری طرح انکی گود میں چھپا ہوا تھا۔ عرفہ لاکھ چاہنے کے باوجود اسکا چہرہ نہ دیکھ پائی البتہ اسکے کان لال بوٹی ہو رہے تھے۔

''جہانداد تیرا باپ ایک جواہری تھا۔ اس نے ہیرا دیکھتے ہی اسکو مانگ کر اپنے ماتھے پر بڑے فخر سے سجایا۔ اگر وہ اللہ سے اپنی زندگی تھوڑی اور لکھوا کر آیا ہوتا تو حالات اور ہونے تھے۔ بھلا وہ اپنے لال کو کسی ڈائن کے رحم و کرم پر چھوڑتا جس نے میرے معصوم بچے کی کھلوی تک جلائی، کونسا ظلم اس عورت نے نہ کیا۔''

''جب لوگ صبا کو طوائف زادی ہونے کا طعنہ دیتے تھے، وہ بھی تیری طرح روتی تھی۔ میرے بے قصور بچوں نے معاشرے کی بے حسی سہی ہے۔ میں نے خود سے عہد کر لیا تھا نہ صبا کی زندگی میں جا کر اسکے لیے تکلیف کا باعث بنوں گی، نہ ہی تجھے کسی امتحان میں ڈالونگی۔ وہ ناگن عورت دن رات تیرے پر پہرہ رکھتی تھی۔ کہیں اسکو موقع ملے اور وہ سرِ بازار تماشہ لگا کر میرے بچے کی تکلیف کا سامان کرے۔ مگر کل مجتبٰی آیا۔ بولا اماں جی اگر آپ اس سے نہ ملیں تو وہ خوشیوں کا دروازہ خود پر ہمیشہ بند رکھے گا۔ تمہیں سمجھانے کے لیے اس نے مجھے یہاں بلایا ہے اور دوسرا اپنی بہو کے لیے آئی ہوں۔ مجتبٰی نے مجھے عرفہ کے بارے میں بھی سب بتا دیا ہے۔ ویسے دیکھو ناں جہانداد۔۔''

انہوں نے اسکا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اونچا کیا جو کہ جذبات کی گرمی سے بے اختیار آنسوؤں کی وجہ سے گرم اور لال سرخ ہو رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر اپنے پلو سے اسکا چہرہ صاف کر دیا۔ وہ قدرے سنبھل گیا تھا۔

''اللہ نے تمہارا جوڑ بھی بنایا تو تمہارے جیسا وکھرا۔۔۔ انوکھا۔۔۔ اوراوکھا۔۔۔''

وہ انکی بات پر مسکرا بھی نہ سکا۔ کیونکہ کچھ دیر کے لیے وہ عرفہ کی وہاں پر موجودگی فراموش کر گیا تھا۔ اب

شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس عورت کے سامنے بالکل ننگا ہو گیا تھا، اسکے برعکس وہ کسی اور ہی ذہنی حالت میں تھی، بولی۔

"آپ دونوں اپنا یہ سین ختم کر دیں۔ ایک تو مجھے جلدی رونا نہیں آتا اور دوسرا میں کم از کم آج کے دن رونا نہیں چاہتی ہوں۔ آخر بیس ہزار کا میک اپ ایویں خراب کر لوں، جبکہ ابھی میں نے اپنی سنگل سیلفی بھی نہیں لی۔" نانی نم آنکھوں سمیت کھل کر مسکرائیں۔

"تم ادھر آؤ میرے پاس جوتے اتار کر یوں گھوم رہی ہو۔ کہیں سے بھی نئی دلہنوں والا رویہ نہیں ہے۔"

وہ آ کر انکے پاس بیٹھ گئی۔ جہانداد غیر محسوس انداز میں اٹھ کر دور ہو گیا۔

"میں نئی دلہن ہوں بھی نہیں۔ آج تو بس جشن تھا۔ کامیابی کا جشن۔۔ اسی کی تیاری کی تھی۔"

نانی کھل کر ہنسیں۔۔۔

"اتنے سالوں سے کہاں گم تھیں۔ پہلے کیوں نہیں آئیں۔"

"جانے دیں نانی پہلے آ کر بھی کیا کرتی، آپ کا نواسا تو نرا سڑو ہے۔ ڈرپوک آدمی۔۔۔"

جہانداد نے آنکھیں گھماتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ جب انہوں نے روک دیا۔

"کہاں جا رہے ہو اور تم دونوں ہی اپنے حلیے سے عجیب لگ رہے ہو۔ نہ کوئی سہرا نہ کلاہ۔۔۔ نہ شیروانی نہ کھسہ یہ کیسی شادی ہوئی ہے۔"

"نانو۔ کوئی شادی وادی نہیں ہوئی۔ یہ لڑکی چاچو کو بلیک میل کر کے ڈرامہ کر گئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہی ہو گا۔"

انہوں نے صدمے سے جہانداد کو دیکھا۔

"ایسی بدشگونی کی بات میرے سامنے دوبارہ مت کرنا۔ کیا تم نے نکاح قبول نہیں کیا تھا۔؟؟"

اس نے ناگواری سے پہلو بدلتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تو وہ بولیں۔۔

"کیا اللہ رسول کو گواہ مان کر اس لڑکی کو بیوی نہیں مانا تھا۔؟؟"

"نانو میں مانتا ہوں، جو ہوا سب جینون تھا۔ مگر میری صورتحال بھی تو سمجھیں۔ میں تو خود اندھیرے میں تھا

کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں؟؟ چچا نے حکم دیا میں نے سر خم کیا۔"

"جہانداد میرے بچے جب حکم مان ہی لیا تھا تو اب کیوں گھبرا رہے ہو۔ جاؤ ذرا اپنے رفاقت کو بولو میرا بیگ لا دے۔ شاید ابھی تک گاڑی میں ہی ہو۔"

وہ دروازے سے رفاقت کو آواز دیکر پلٹا۔

"آپ آئیں کب کی ہیں؟؟ اور کون چھوڑ کر گیا؟۔"

"میں آٹھ بجے پہنچی تھی۔ ادھر باجی کا ملازم ائرپورٹ پر بیٹھا گیا تھا۔ ادھر آگے رفاقت لینے گیا تھا۔"

"یہ سب مجھ سے کیوں چھپایا۔ میں خود آپکو لینے آتا۔"

"تمہارے اتنے مہمان تھے۔ انہیں چھوڑ کر میرے لیے آتے اچھا نہیں لگتا۔"

"وہاں میرا تو کوئی نہیں تھا۔"

"عرفہ تو تھی۔"

اس نے ایک سنجیدہ سی نظر نانی کے پہلو سے لگی بیٹھی لڑکی پر ڈالی پھر انکو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ تب ہی رفاقت دروازہ بجاتے ہوئے آیا۔

"جی سر؟؟۔"

جواب جہانداد کی بجائے نانی نے دیا۔

"تم کدھر جا بیٹھے ہو۔ ادھر آؤ پہلے میرا بیگ لاؤ۔ پھر انکی تصویریں اتارنا۔"

"جی اماں جو حکم۔ آپ کا بیگ ادھر ہی رکھا ہے۔"

رفاقت نے بیگ برآمد کر کے انکے سامنے رکھا۔

انہوں نے بیگ کھولا اور لگیں خزانے نکالنے۔۔

ایک سہرا نکال کر جہانداد کی جانب بڑھایا۔ جو خوفزدہ نظروں سے انکی شکل دیکھنے لگا۔

پھر ایک سرخ رنگ کا گوٹے والا دوپٹہ نکلا۔۔۔

"میرے پاس صبا اور مرتضٰی کی شادی کی یہ چیزیں سنبھالی پڑی ہیں۔ تم دونوں یہ پہن کر ادھر صوفے پر ایک

ساتھ بیٹھو۔"

"ہائے نانی آپکا مطلب یہ ہے کہ یہ دوپٹہ میری مرحومہ ساس نے اپنی شادی پر پہنا تھا؟؟۔۔"

"ہاں۔۔"

"ارے واہ پھر تو میں ضرور پہنوں گی۔"

وہ جھٹ دوپٹہ اپنے اوپر ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

"نانو مجھے اپنے ماں باپ سے بڑا پیار سہی مگر میں یہ آئٹم پہن کر اس لڑکی کے ساتھ ہرگز نہیں بیٹھونگا۔"

"تمہارے تو اچھے بھی بیٹھیں گے۔ بڑا آیا نہیں بیٹھونگا۔۔۔"

عرفہ نے اسکو موقع دیئے بغیر سہرا جھپٹ کر بیڈ پر کھڑے ہو کر زبردستی جہانداد کے سر پہ باندھ دیا۔ ساتھ ہی اسکے غصے اور ناگواری کو نظر انداز کرتی اسکو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی اپنے ساتھ صوفے کے پاس لائی۔ پہلے دھکا دیکر اسکو بٹھایا۔ پھر دھڑم سے خود اسکے برابر بیٹھی۔ وہ بڑبڑایا۔

"تمہیں ایویں فری ہونے کی بڑی بری عادت ہے۔ میرے سے ہٹ کر بیٹھو۔"

"کیوں کیا تمہیں شرم آرہی ہے۔؟ سہرے کے پیچھے سے بھی۔۔؟؟۔"

"نہیں میری آنکھوں کے سامنے وہ طلاق نامہ آرہا ہے۔ جس پر آج تم نے سائن کیے تھے۔"

عرفہ نے اسکے کندھے پر اک ہاتھ جڑا۔۔

"ہاں تو کیا اب بھی تمہیں میرے سے کوئی ڈر ہے۔؟ ویسے اللہ قسم کیا لگ رہے ہو۔"

جواب میں جہانداد نے سہرے کی لڑیاں اٹھا کر اسے جن نظروں سے نوازا وہ دانتوں میں گوٹے والے دوپٹے کا پلو دبا کر ہنستی چلی گئی۔ تب ہی کیمرے کا فلش بجا۔۔۔

نانی بیڈ سے اتر کر آئیں۔

"ہنسنا بند کرو اور گھونگھٹ نکالو۔۔ کیا پٹر پٹر تمہاری زبان چلتی ہے۔"

نانی نے لاڈ سے ڈپٹا۔ عرفہ کو اور ہنسی آئی۔ ہنستے ہنستے کہیں آنکھوں سے چند قطرے بھی بہہ گئے تھے۔ جنکا کسی کو علم ہی نہ ہوسکا۔

رفاقت تصویریں لے رہا تھا۔مائی ثریا ایک ڈش میں مٹھائی نکال لائیں تھی۔

لمبا گھونگھٹ نکال کر بیٹھ گئی۔نانی نے ساتھ تصویریں اتروائیں۔۔پھر کئی نوٹ ان پر سے وار کر رفاقت کو مسجد میں ڈالنے کے لیے دیئے۔دونوں کا منہ میٹھا کروایا۔پھر اپنے بیگ میں سے ایک کون مہندی نکال کر عرفہ کے حوالے کی۔

''تم دونوں کی کوئی بھی رسم وغیرہ تو ہوئی ہی نہیں۔چلو ہم اپنے طور پر کچھ شگن کر لیتے ہیں۔عرفہ تم مہندی سے جہانداد کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنا نام لکھو۔''

جہانداد نے بیزار ہو کر نانی کی منت کی۔

''پیاری ماں میں نے آفس جانا ہوتا ہے۔اوپر سے یہ جو بلا میرے چہرے کے آگے لٹک رہی ہے۔مجھے خارش ہونے لگ گئی ہے۔آپ نے اس میں دیکھنا تھا،دیکھ لیا،کیا اب یہ اتار سکتا ہوں؟

انہوں نے رضامندی دینے کے ساتھ اسکا ہاتھ پکڑ کر عرفہ کے آگے کیا،جبکہ اپنے دوسرے ہاتھ سے اس نے سہرا اتار کر سامنے پڑی میز پر ڈال دیا۔

''نانو پلیز کیا میں اسکی ہتھیلی کے بجائے اسکے ماتھے پر اپنا نام لکھ لوں؟؟۔''

عرفہ کی فرمائش پر وہ تو جل ہی گیا،بولا۔

''ہاں کیوں نہیں تمہیں بے زبان قربانی کا بکرا ملا ہے۔اسلیئے ماتھے پر رنگ لگا کر بلی چڑھاؤ۔۔''

جواب میں نانی نے ڈپٹ دیا۔

''میں نے کیا کہا تھا،بدشگونی کی باتیں نہ کرو۔''

عرفہ نے اسکی گلابی شفاف ہتھیلی پکڑ کر اپنی گود میں رکھی۔کون کے آگے لگی پن اتاری ساتھ ہی دوبارہ زبان میں کھجلی ہوئی۔

''نانی مہندی کا رنگ تو چاہے جتنا مرضی گہرا آئے آخر ایک دن مٹ جائے گا۔ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اسکے ہاتھ کے اوپر اپنا نام ٹیٹو کروا دوں۔''

جواب اس دفعہ پھر اسی کی جانب سے آیا تھا۔

''تم میرے ہاتھ، منہ، ناک، کان جہاں مرضی اپنے نام کے ٹیٹو بنوا لو فرق کوئی نہیں پڑنا۔ جو ہونا تھا وہ۔۔۔''

اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

''اچھا اچھا اب اگر میں نے تمہاری رہائی کے پروانے پر سائن کر ہی دیئے ہیں۔ تو یوں طعنے مار مار کر مجھے غصہ نہ دلواؤ کہیں میں اپنے سائن واپس نہ لے لوں۔۔''

جواب میں وہ واقعی چپ کر گیا۔

عرفہ نے اردو میں کافی کشادہ سا کر کے اپنا نام اسکی ہتھیلی پر لکھا۔ جبکہ وہ کہتا ہی رہ گیا کہ صرف عرفہ کا ع ڈال دو وہ بھی چھوٹا سا کر کے۔ اینڈ پر تپ کر بولا

''اگر میرا ہاتھ تھوڑا پڑ رہا ہو تو بازو بھی اپنا ہی سمجھو۔۔'' عرفہ اسے چڑانے کو ہنسی اور ایک انگلی کو مہندی لگا کر جہانداد کی گال پے رگڑ دی۔ وہ بچارہ نانی کے دم کو ہی سب برداشت کرتا رہا۔ ویسے بھی آج کا دن ہی تھا۔ کل نہ بجنا تھا بانس نہ بجنی تھی بانسری۔

رفاقت اور مائی ثریا کے جانے کے بعد وہ تینوں ہی بچ گئے۔

جہانداد نے بڑے اصرار کے بعد اسکے ہاتھ پر انگلش میں پتلا سا کر کے اپنا نام لکھ دیا۔ جس پر وہ اسے گھور کر بولی۔

''کنجوس آدمی مہندی تمہاری جیب کی نہیں تھی۔ جو اتنی کم لگائی ہے۔''

''میری ہی نانی کی جیب سے آئی ہے۔ تم زیادہ ہوشیار نہ بنو پہلے ہی مجھے کنگلا کر چکی ہو۔ اب میری نانی پر قبضہ جمانے کے ارادے ہیں۔ نانی آپ بھی سالوں تڑپانے کے بعد ملی ہیں، تو وہ بھی کیسے وقت پر"۔

''بجو جی اگر آج ادھر میں موجود نہ ہوتی تو نانو نے بھی نہیں آنا تھا۔ شکریہ کرو میرا جو نانو کو لے آئی۔''

اس نے نانی کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔۔

''کیا یہ صحیح کہہ رہی ہے؟؟''

''ہاں تو اس میں کیا شک ہے۔ جب مجھے پتا چلا میرے بیٹے کی شادی ہوگئی ہے۔ میرے سے رہا نہیں گیا۔

ورنہ مجتبیٰ تو مجھے کئی سالوں سے بلا رہا تھا۔ پر کوئی سبب ہی نہیں بنتا تھا۔ اللہ تم لوگوں کو اتنی خوشیاں دے کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے۔"

جہانداد نے موضوع بدل دیا۔

"یہ ہرا مادہ اور کتنی دیر ہاتھ پر رکھنا پڑے گا؟؟ کیسی عجیب سی بدبو آ رہی ہے۔"

عرفہ اسکی بات سے لاپرواہ اپنے ہاتھ پر لکھے نام کو موٹا کر رہی تھی۔

"تھوڑی دیر اور رکھو خشک ہو جائے تب دھو لینا۔"

نانی کی بات پر اس نے منہ بنایا۔

"اب کپڑے کیسے بدلونگا۔ اگر یہ ساری رات نہ سوکھے تو کیا یونہی الو بنا بیٹھا رہوں۔ میری زندگی کا بہترین ترین دن ہے۔ آپ میرے ساتھ ہیں۔ ہم نے کئی باتیں کرنی تھیں، کس جھنجھٹ میں لگا دیا۔ آپ آج ادھر میرے ساتھ سوئیں گی۔ دونوں ماں بیٹا باتیں کریں گے۔ اب میں آپکو کبھی واپس بھی نہیں جانے دونگا۔ چاہے جتنے مرضی بہانے بنالیں۔"

"ماں صدقے آنے والوں کو تو جانا ہی ہوتا ہے اور اب تو مجھے تمہاری تنہائی کی کوئی فکر بھی نہیں رہی پر جتنے دن ادھر ہوں ماں بیٹا ساتھ ہی رہیں گے۔ بلکہ ماں بیٹا ہی کیوں، میری بیٹی بھی ساتھ ہوگی۔ جہانداد میں چاہتی ہوں۔ تم اپنی زندگی ویسی بھرپور جیو جیسی زندگی پر تمہاری ماں کا بھی حق تھا، جو اسے نہ مل سکی، میں تمہیں بستے دیکھ کر شاید اسکا غم بھول جاؤں۔۔۔"

عرفہ نے بے اختیار انکے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"میں نے کیا کہا تھا، مزید کوئی دکھی بات نہیں کرنی۔"

"ہاں بھول گئی تھی۔ اچھا چلو اپنے بارے میں بتاؤ بچپن کہاں گزارا اور کیسا وقت تھا۔ ماں باپ کی کبھی کھوج نہیں لگائی کہ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟؟۔۔"

وہ مکھی اڑاتے ہوئے شروع ہوئی۔

"بچپن آشیانہ میں گزرا۔ وہاں جو ہماری ماں جی تھیں۔ انکی گود میں چڑھ کر پیار بٹورتے گزرا۔ کوئی ہوتا

تب بھی میں کھوج نہ لگاتی۔ بس اتنا سنا تھا کہ سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لائی گئی ایک زخمی عورت نے سردیوں کی سرد کالی طویل رات میں ایک لڑکی کو جنم دیا۔ اسکے اپنے دماغ میں چوٹ لگی تھی۔ دو دن بہوشی میں رہنے کے بعد مرگئی۔ ہسپتال والوں نے تین دن لاش سرد خانے میں رکھ کر ٹی وی اور اخبار میں اشتہار دیا۔ کوئی والی وارث نہ آیا۔ بچی آشیانہ کے حوالے کر دی گئی۔ عورت کو لاوارث لکھ کر دفنا دیا گیا۔ کہانی ختم۔۔۔۔"

نانی نے اسکو بھینچ کر پیشانی چومی۔ جبکہ جہانداد دم بخود بیٹھا اسکی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔ جس پر اس قدر سکون تھا کہ جیسے وہ خود اپنی نہیں کسی ٹی وی ڈرامے کی کہانی سنا رہی ہو۔ "کیا یہ لڑکی اصلی ہے یا کسی اور سیارے کی بھٹکی ہوئی مخلوق اور اگر اصلی ہے تو کیا سوچ کر میری زندگی میں آئی ہے کہ میں اسکو قبولیت کی سند دونگا؟؟"

کافی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے دوران نانی نے اپنے لیے وہیں ایک چارپائی بچھوائی کیونکہ انکو بیڈ پر نیند نہ آتی تھی۔

عرفہ بھی ایک دفعہ اوپر کا چکر لگا کر لباس تبدیل کر آئی۔ اپنی وائٹ بیگی شرٹ کے ساتھ سرخ پٹیالہ شلوار پہنی سرخ سکارف گلے میں ڈالا۔

وہ واپس اندر آئی ہی تھی کہ وہ جو اپنا سرہانہ سیٹ کر کے لیٹنے لگا تھا۔ چونک کر مڑا۔

"تم واپس ادھر کدھر آ رہی ہو؟؟"

"زیادہ تھانیدار نہ بنو اگر نانی ادھر سو رہی ہیں تو میں نے بھی ادھر ہی سونا ہے، دوسری صورت میں نانی اٹھیں چلیں میرے ساتھ دوسرے کمرے میں سوتے ہیں۔"

وہ بھنا ہی گیا۔

"او بی بی یہ میری ماں کی ماں ہیں۔ تم کس سلسلے میں حق جتا رہی ہو؟؟"

"اگر یہ تمہاری ماں کی ماں ہیں۔ تو یاد رکھو یہ میری مرحومہ ساس کی ماں بھی ہیں۔"

"کونسی ساس کیسی ساس۔۔۔؟؟"

"چلو اب شودے لوگوں کی طرح پھر یاد کرواؤ مجھے کہ میں سائن کر چکی ہوں۔"

"جی درست یاد ہے آپکو۔۔"

وہ اسکی اگلی بات سنے بغیر ہی وہیں اسکے سرہانے پر دھڑلے سے سر رکھ کر لیٹ گئی۔ ساتھ ہی مشورہ دیا۔
''تم بیڈ کے دوسری جانب سو جاؤ نہیں تو وہ صوفہ موجود ہے۔''
نانی کی مداخلت نے مسئلہ حل کیا، چونکہ وہ انکوفی الحال بتا کر کوئی نیا موضوع چھیڑنا نہیں چاہتا تھا، اسلیئے دوسری جانب چلا گیا۔
نائٹ بلب کی روشنی میں نانی کی آواز گونجتی جو پرانے قصے کہانیاں سنا رہی تھیں۔ کہیں رات کے دو تین بجے جا کر وہ لوگ سوئے ہونگے۔
اس کا ذہن ابھی پوری طرح سے غنودگی میں نہیں گیا تھا۔ جب اپنے بالوں میں ایک ہاتھ کی نرماہٹ محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی کان کے قریب سرگوشی ہوئی۔
''مانتے ہو پھر میں نے سچ کہا تھا ناں۔''
''کیا۔۔؟؟۔'' آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔
''یہی کہ آج کے دن شراب کے پیچھے چھپنے نہیں دونگی اور آج تم پیئے بغیر سو رہے ہو۔''
وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔۔
''عرفہ جی اچھا وقت آتے ہی جو انسان اپنا برا وقت بھول جائے، وہ بھی کوئی انسان ہے۔ جب تم اپنے کمرے میں گئی تھیں، میں نے دو شوٹ پیئے۔''
''کیوں پیتے ہو؟؟۔''
''شوق سے تو نہیں پیتا ہوں۔ وہ کیا خوب کہا ہے۔
بھانویں توبہ کر دلکھ واری نہ مکروں لیندی ائے
جدوں آپ پیاوے یار تے پینی پیندی ائے''
''تم یہ جتانا چاہتے ہو کہ تم نے زندگی میں بڑے غم دیکھے ہیں، جن کو کو بھلانے کے لیے پیتے ہو، کیا تم میری طرح بے نام و نشان ہو؟؟ نہیں ناں پھر بھی دیکھ لو میں تم سے بہادر ہوں۔''
وہ دھیمے سے ہنسا۔

''تمہارے پاس خونی رشتے نہیں تھے۔مگر تمہاری شخصیت یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ تم نے کبھی اندھیرے نہیں دیکھے ہیں۔تم روشنی کی مسافر رہی ہو۔خونی رشتے بڑی بری طرح ڈستے ہیں۔انکے دکھ جینے نہیں دیتے۔کیا تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کو بے دردی سے ایک چمڑے کی بیلٹ سے پٹتے دیکھا ہے۔جب تمہارا ہڈیوں بھرا وجود ایک کونے میں کھڑا بری طرح سے کانپ رہا ہو۔مار کھا کر گھٹی گھٹی سسکیوں سے بلکنے والی عورت اپنی خون آلود جگہ جگہ سے پھٹی قمیض کے ساتھ ساری رات سرد فرش پر بے سدھ پڑی رہے۔کوئی ایک گھونٹ پانی بھی اسکے منہ میں ڈالنے نہ آئے۔اسکا اپنا بیٹا اسی کونے میں کانپتے کانپتے بھوکا پیاسا سو جائے۔میں نے یہ سب دیکھا ہے۔مجھ پر بیتا ہے۔یہ ایک رات کی کہانی بتائی ہے۔ذرا مجھے گنتی کر کے بتاؤ بارہ سالوں میں کتنی راتیں اور کتنے دن بنتے ہیں۔میں تین سال کا تھا جب اس گھر میں گیا تھا۔دس سال تین مہینے کا تھا۔جب وہ مجھے چھوڑ گئیں۔میری رگوں میں اس قدر خوف بھر گیا تھا۔کہ میں اس عورت کی آواز بھی سنتا تو پیشاب نکل جاتا۔''

عرفہ اسکے بالوں میں لگا ہیر کیچ کب کا نکال چکی تھی،مگر انگلیاں ابھی بھی اسکے بالوں میں ہی گھوم رہی تھیں۔

''تمہارے چچا دادی وغیرہ اسکو ایسا کرنے سے روکتے کیوں نہیں تھے؟؟''

جہانداد نے ہلکے سے گلا صاف کیا۔

''مجھے اور امی کو جو کمرہ ملا وہ تیسری منزل پر تھا۔چچا ملک سے باہر ہوتے تھے۔کبھی آتے بھی تو انکی بیگم انکو پوری طرح ادھر ادھر مصروف رکھتی تھیں۔دادی دادا خود اپنی بہو کے رحم و کرم پر تھے جو کہ انکی خاندانی بہو تھیں۔میری ماں انکے باغی بیٹے کی بیوی جسکو وہ ماں باپ کی مرضی کے مخالف بیاہ لائے تھے۔وہ چاہے جتنی مرضی خدمت کرتیں انکی تعریف کر کے وہ اپنے اوپر جنت حرام نہیں کر سکتے تھے۔دیے ورتھنگ موردَن خاموش تماشائی۔میں تمہارے ساتھ یہ ساری گفتگو کیوں کر رہا ہوں؟؟ کیا تم رات کو سوتے میں کبھی ڈری ہو؟؟''

عرفہ کی انگلی نے اندھیرے میں آنکھیں موندے لیٹے اس انسان کی آنکھ سے نکلنے والے قطرے کو اپنی انگلی سے چن لیا۔جس پر اس نے اذیت سے اپنی آنکھیں زور سے میچ لیں۔جبکہ عرفہ سرگوشی میں صرف اتنا بولی۔

''نہیں۔۔''

''میں پہلے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔پندرہ سال کا تھا۔جب ایک دن چچا اچانک میرے کمرے میں آئے۔

میں نہا کر آیا تھا۔ جسم پر صرف ٹراؤزر تھا۔ وہ اندر آئے اور میری کمر پر نظر پڑتے ہی بڑے شاک میں جائزہ لیتے ہوئے سوال و جواب کرنے لگے۔ وہ بڑی دیر تک صدمے کی حالت میں میرے سامنے نم آنکھوں سے بیٹھے رہے۔ میں شرمندگی اور فکر میں رہا کہ اب یہ جا کر چچی کو پوچھیں گے تو آگے کیا ہوگا۔؟؟''

''مگر چچا واقعی ہیرو نکلے اگلے ہی دن میرے پاس آئے کہ مری کے ایک پرائیوٹ سکول میں داخلہ ہو گیا ہے۔ رہنا بھی ادھر ہاسٹل میں ہی ہوگا۔ گھر میں بھونچال آیا مگر وہ ہر ایک کے سامنے ڈٹ گئے۔ میں پڑھائی میں اچھا تھا۔ مگر ذہنی طور پر بالکل جامد وہاں پر ہر ہفتے میرے لیے نفسیاتی ڈاکٹر آتا۔ چچا نے میری شخصیت کو بچانے میں بڑی محنت کی ہے۔ میں انکا احسان مند ہوں۔ اب بس کبھی کبھار مہینوں بعد کوئی برا خواب آ جاتا ہے۔ میں اس گھر میں رہنے کے لیے دوبارہ کبھی نہیں گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی بڑا عرصہ ادھر کے ہاسٹلز میں رہا۔ چچا نے ہی یہ گھر بنوا کر ادھر رہنے کا بولا۔ میری زندگی میں اگر یہ شخص نہ ہوتا تو جانے میں کب کا کس حالت میں مر کھپ گیا ہوتا۔ انہوں نے میرا اچھائی پر یقین پیدا کیا ہے۔ دنیا بری نہیں ہے۔ سب انسان برے نہیں ہیں۔ مجھے جب بھی کبھی ماضی کا آسیب گھیرتا ہے۔ تو میں اس کیفیت سے کوشش کر کے جان چھڑواتا ہوں کیونکہ میں چچا کو اپنی طرف سے مایوس ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ جتنی محنت اس عورت نے مجھ سے نفرت کرنے میں کی اس سے کہیں بڑھ کر انہوں نے مجھے بچانے میں محنت کی۔ پر پھر بھی کیا کروں رات کو سسکیوں کی آواز جب کانوں میں گونجتی ہے تو دل چاہتا ہے، خود سے غافل ہو جاؤں، کوئی مجھ سے میری سماعت چھین لے تا کہ کوئی آواز مجھ تک پہنچ نہ سکے۔''

نانی کے خراٹے اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ وہ نیند کی گاڑی پر سوار ہو چکی ہیں۔ اس بات کا فائدہ اٹھا کر میں تمہیں ایک بات سمجھانا بلکہ باآور کروانا چاہتا ہوں۔''

عرفہ ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی بڑے غور سے اسکی بات سن رہی تھی۔

''ایک بات پہلے کلیر کر دوں۔ میں تمہاری بہادری، تمہاری دو ٹوک شخصیت سے متاثر ہوا ہوں۔ تم بلاشبہ ایک بہادر لڑکی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اگر ہمیشہ ایسی ہی بچی رہیں تو زندگی میں بہت آگے تو شاید نہ جاؤ پر دین و دنیا میں کامیاب ضرور ہوگی۔''

''میں تمہارے برعکس ہوں۔ تمہیں اسی عورت نے استعمال کرنا چاہا تم نے الٹا اسکو استعمال کرلیا۔ وہ تو تپی بیٹھی ہوگی۔ تم نے اس سے بدلا لے لیا۔ مجھے دیکھو میں اتنا بزدل ہوں کہ اپنی ماں کا بدلہ لینا تو دور میں اسکو آج تک یہ نہیں جتا سکا کہ ظالم عورت مجھے تمہارا کیا ہر ظلم یاد ہے۔ میں اگر چاہتا تو اسکی بیٹی سے شادی کر کے بڑی آسانی سے اپنا بدلا لے سکتا تھا۔ اسکی بیٹی پر تیل پھینک کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لیتا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکا، نہ ہی کر سکتا ہوں۔ اسکی ایک وجہ یہ کہ مجھے میرے باپ جیسے چچا کا لحاظ ہے، دوسرے وجہ، مجھے لگتا ہے کہ کہیں لا شعور میں آج بھی میں اپنی چچی سے ڈرتا ہوں۔ میں نے کبھی اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہیں کی۔''

''تمہیں اپنے دل کی بات اس لیے بتا رہا ہوں تا کہ تم یہ جان سکو کہ جسکو سونا سمجھ کر تم اسکی جانب لپکی ہو۔ وہ سونا نہیں صرف پتھر ہے۔ میرا سب سے قریبی رشتہ میری ماں تھیں۔ عرفہ میں انکے کسی کام نہ آسکا' ان کی کوئی پریشانی نہ دور کرسکا' مجھے یہ دکھ رلاتا ہے کہ تب میں اتنا چھوٹا کیوں تھا۔ اتنا کمزور کیوں تھا۔ کیوں نہ میں انکو ظلم سے بچا سکا اور اگر اللہ نے انکو زندگی میں اتنا کم وقت دیا تھا تو مجھے کیوں اتنی لمبی زندگی دی۔''

''دیکھو عرفہ انسان کو تجربے سے سیکھنا چاہیے۔ یونہی جانوروں جیسے دیوار میں سر نہیں مارنا چاہیے۔ اس سے سوائے اپنا سر پھٹنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ جو انسان خود اپنے لیے نہ جی سکے وہ کسی اور کی ذمہ داری کیا اٹھائے گا۔ طلاق کے پیپرز پر ابھی صرف تمہارے سائن ہوئے ہیں۔ کل تک میں بھی کردونگا ، کیونکہ یہ تعلق کسی فائدے کا نہیں، تم وقت کے ساتھ پچھتاؤ گی۔ اسلیئے بہتر ہے کہ سفر شروع ہی نہ کیا جائے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

''جہانداد کیا تمہیں ایمان مفصل یاد ہے؟؟''

وہ سوال کا مقصد نہ سمجھ سکا مگر ہاں میں جواب دیا۔ تو وہ بولی۔

''اسکے ترجمہ پر کبھی غور کیا ہے؟؟''

وہ دھیرے سے بولا۔

''ہاں سکول میں پڑھایا جاتا تھا۔''

''میں نے پڑھنے کا نہیں پوچھا۔ یہ پوچھا ہے کہ کبھی تم نے ترجمہ پر غور کیا ہے؟؟۔''

''نہیں، بس پڑھا ہے اور زبانی یاد بھی ہے۔''

''پھر تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ اس میں اللہ نے تم سے حلف لیا ہے۔ میں ایمان لایا اللہ پر، اسکے فرشتوں پر، اور اسکی کتابوں پر، اور اسکے رسولوں پر، اور قیامت کے دن پر، اور اس پر کہ، اچھی اور بری تقدیر اللہ صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اور موت کے بعد کی زندگی پر۔۔۔۔'' یہ حلف تم نے اپنی زندگی میں بے شمار مرتبہ لیا ہوگا۔ بہت دفعہ اپنے ایمان کا اعلان کیا ہوگا۔ پر کیا تمہارے دل میں اس پر یقین بھی ہے۔؟؟''

وہ اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیڈ سے پیر لٹکا کر سلیپر پہنے اور بولا۔

''باہر آؤ۔''

اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ وہ بھی ننگے پاؤں ہی بس سکارف اوڑھ کر اسکے پیچھے نکل آئی جو کہ سیدھا کچن میں جا کر کیتل میں پانی ڈال رہا تھا، وہ بھی آ کر وہیں میز کی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

وہ پانی بھر کے کیتل کو سٹینڈ پر لگانے کے بعد بٹن آن کرتا ہوا اسکی جانب مڑا۔

''اب بولو کیا پوچھ رہیں تھیں۔''

''اگر کافی یا چائے بنانے لگے ہو تو میرا مشورہ ہے کافی بنا لو۔ میرے لیے بھی بنا لینا اور ساتھ میں کچھ میٹھا ہو جائے تو سونے پہ سہاگا ہوگا، ارے تم نے ہاتھ دھو لیا ہوا ہے، رنگ دکھاؤ تو ذرا۔۔''

فوراً اپنی بات ادھوری چھوڑ کرسی سے اتر کر اسکے قریب آ کر ہاتھ دیکھا۔ جس پر عرفہ کا نام گہرے نارنجی رنگ میں چمک رہا تھا۔

''ہائے کتنا پیارا رنگ آیا ہے مگر میرے ہاتھ پر زیادہ گہرا رنگ آیا ہے۔''

جہانداد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور سخت لہجے میں بولا۔ ''تم ہو کیا بلا؟؟ دو منٹ پہلے کوئی سوال پوچھ رہی تھیں، درمیان میں ہی تمہیں میٹھے کی یاد ستانے لگ گئی، وہ بھی ادھر چھوڑ آگے مہندی نظر آ گئی، ایک وقت میں ایک طرف فوکس نہیں رہ سکتی ہو۔ اگلا بندہ بیچارہ گھوم جائے۔''

عرفہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا بولی۔

''اچھا اب زیادہ ڈرامے نہ کرو۔ تمہارے دل کی حالت مہندی کے رنگ سے شو ہو گئی ہے۔''

''اب اس بے تکی بات کا کیا مطلب ہوا؟؟''

اس نے کپ دو کپ نکال کر کاؤنٹر پر پٹخے۔۔

''آرام سے۔۔! کیا کپ توڑو گے؟؟ اور یہ کوئی بے تکی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں مشہور ہے۔ جتنا گہرا رنگ ہو۔اتنی زیادہ محبت ہوتی ہے۔''

''کس کی محبت؟؟۔''

''ارے بھئی میاں بیوی کی اور کس کی۔۔ جیسے میری مہندی کا رنگ گہرا آیا ہے اسکا مطلب تم مجھ سے بڑی محبت کرتے ہو۔''

وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

''جہالت کی بھی کوئی حد ہے۔۔''

وہ کیتل، کپ، چینی، کافی اور ایک چمچ لیکر اسکے بالکل سامنے والی کرسی سنبھال گیا۔

جو بات اندر کر رہی تھیں، وہ کیا تھا۔''

عرفہ نے اپنے لیے تھوڑا پانی اور چینی ڈالنے کے بعد آدھا چمچ کافی ڈالی اور پھینٹنے لگی۔

''ہاں وہ میں تمہارے ایمان کا درجہ جاننا چاہ رہی تھی۔ مجھے ایک سوال بڑا تنگ کرتا ہے۔ جب میں اپنے ارد گرد لوگوں کو اپنی زندگیوں میں ناخوش دیکھتی ہوں۔ غمگین دیکھتی ہوں جو کہ اپنی آخرت کے لیے دکھی نہیں ہوتے بلکہ ہر غم اور شکوے کا تعلق زندگی سے ہوتا ہے۔ مثلاً ادھوری خواہشات، مال و دولت کہ کمی، حالات، دنیا کے جنجال میں سرخرو ہونے کی فکریں، کسی کی شادی میں وہی جوڑا پہننا پڑ گیا جو پہلے کسی اور فنکشن میں پہنا تھا۔ کسی نے خوبصورتی کی تعریف نہیں کی، کسی کو یہ غم ہے کہ میری دوست نے اپنے بیٹے کی سالگرہ اتنی دھوم دھام سے کی تھی اور میں ایک کیک بھی نہ لا سکی۔ تو میرا دل بڑا پریشان ہوتا ہے۔ جہانداد میں یہ نہیں کہہ رہی کہ جو تمہارے غم ہیں وہ غم نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنی مثال دیتی ہوں۔ میرے لیے بڑے ہونا کوئی آسان نہیں تھا۔ ہمیشہ سکول کالج میں جسکو بھی میرے بارے میں پتا چلا اس نے بڑی عجیب نظروں سے مجھے سرتاپا پڑھا۔ مجھے کبھی کسی نے اپنی کسی پارٹی میں نہیں بلایا۔ کسی گروپ سٹڈی کا حصہ نہیں بنایا۔ میری بہت سی لڑکیوں نے دوستی صرف اس لیے چھوڑ دی

کیونکہ انکے ماں باپ کو منظور نہیں تھا کہ وہ ایک لاوارث لڑکی سے میل ملاپ رکھیں، کیونکہ مجھ جیسی لڑکیاں بری ہوتی ہیں۔حرام کے لوگوں میں سے ہوں۔تم اگر میری باتوں سے انکار کرو گے تو اسکا صاف مطلب ہوگا کہ تم اپنے ہی معاشرے سے ناواقف ہو یا جان بوجھ کر انکاری ہو۔پر مجھے اس سب پر کبھی بہت دکھ نہیں ہوا جانتے ہو کیوں ؟؟ کیونکہ اللہ نے مجھے جہاں بہت کچھ نہیں دیا۔وہاں میرے دل میں ایک چھوٹی سی روشنی بھر دی ہوئی ہے۔یقین کی روشنی۔مجھے یہ احساس بخشا ہوا ہے کہ دیکھو لوگ تم سے نفرت کریں۔حقارت سے منہ موڑیں، مایوس نہ ہونا۔یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں ہر چیز سے واقف ہوں۔وہ جو باتیں کرتے ہیں۔جو نہیں کرتے جو صرف دلوں میں ہی سوچتے ہیں۔ہر ایک سے واقف ہوں۔چوبیں گھنٹے ساتوں دن تمہیں دیکھ رہا ہوں۔تمہاری اک اک تکلیف سے واقف ہوں۔جب جب تمہارا دل ٹوٹتا ہے۔میں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔کیونکہ اچھی اور بری تقدیر میری ہی جانب سے ہے۔"

وہ خاموش بیٹھا اسے سن رہا تھا جو کہ ٹیک لگا کر ایک پیر کرسی کے اوپر جمائے بڑے اعتماد سے بول رہی تھی۔ گاہے بگاہے دونوں کافی کے گھونٹ بھر لیتے۔

"تمہیں یہ دکھ ہے ناں جہانداد کے تم اپنی امی کے پاس ہوتے ہوئے بھی انکے لیے کچھ نہ کر سکے۔تمہاری سفاک چچی انکو مارتی تھی۔تم کربلا کے ظلم سے تو واقف ہی ہو ناں۔پنجابی کے ایک شاعر ہوئے ہیں۔دائم اقبال دائم انہوں نے کربلا پر شاہ نامہ لکھا ہے کہ جب اہل بیتِ اطہار کی شہزادیاں قیدی کر کے لیجائی جا رہی تھیں،تو کسی نے سیدہ زینب سے پوچھا کہ آپ کون ہو۔تب شاعر کہتا ہے انہوں نے جواب دیا۔میں زینب ہوں۔تو پوچھنے والا بولا زینب تو یعقوب کی بیٹی کا نام تھا۔

تب سیدہ نے فرمایا۔

وہ یعقوب جائی تے میں علی جائی

یعنی وہ یعقوب کی بیٹی تھیں۔تو میں علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی ہوں۔

تے جے او شان والی تے میں بھی شان والی

مطلب کہ اگر انکا ایک پیغمبر کی بیٹی ہونے کے ناتے بڑا رتبہ تھا۔تو کم میں بھی نہیں ہوں۔

اڈیوسف دی بہن سدان والی تے میں حسین دی بہن سدان والی۔۔

مطلب کہ اگر لوگ انکو یوسف کی بہن ہونے کے ناتے جانتے تھے۔تو مجھے حسین کی بہن ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

میرا ناذینب کربلا والی تے اوہدا نا ذینب کنعیان والی

مطلب وہ کنعان کی رہنے والی تھیں۔اور میری پہچان یہ ہے کہ میں وہ زینب ہوں۔جس نے کربلا برداشت کیا ہے۔۔

ستے رہی اوویرو ے ٹرن ویلے۔۔۔تے رہی جاگدی میں ارمان والی۔۔

کہتی ہیں جب اس زینب سے اسکا بھائی بچھڑا تو وہ سو رہی تھی۔میں وہ زینب ہوں۔جس نے جاگ کر بڑے ارمان سے اپنے بھائی کو وداع کیا۔

اودھا باپ درد ونڈان والا' تے او باپ دے درد ونڈان والی۔۔۔۔میرا تے باپ وی نہیں اور میں دکھی زینب تے سر دکھادے پاڑ اٹھان والی'

کہتی ہیں کہ جب اس زینب پر دکھ پڑا تو وہ اکیلی نہیں تھی۔انکے والد ساتھ تھے۔دونوں ایک دوسرے کا غم بانٹتے۔اور میرے تو والد بھی حیات نہیں رہے۔میں نے تو اتنے بڑے دکھ کا پہاڑ اکیلے ہی سر پر اٹھایا ہوا ہے۔"

تے روندی رہی اوکراں وچ بیٹھ زینب' پیر اک نہ بار چان والی۔۔۔میں مسافر' پردیسن' بے وطن زینب کربلا جنگل خیمے لان والی۔۔۔۔۔

شاعر کہتا ہے کہ

وہ زینب اگر بھائی کے غم میں روئی ناں تو اسکے سر پر چاردیواری تھی۔اپنے گھر کے پردے میں رہ کر غم منایا۔۔اور میں ایک مسافر' پردیسی' بے وطن زینب ہوں۔جس نے کربلا جیسے اجاڑ میں خیمے لگائے ہیں۔نہ سر پر چھت رہا نہ آنچل۔۔۔۔

"اودھے ویر بارہ تے سکھاں وچ وسن۔۔اوڈیکھ ویکھ کے خوشی منان والی۔۔۔۔۔۔تے میرا لکھاں تو ود حسین اکو اوہ کربل وچ کھوان والی۔۔۔

اس نے اپنے سکارف سے آنسو صاف کیئے۔۔۔

"یہ شعر دل چیر کہ رکھ دینے والا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ اس زینب کے بارہ بھائی اسکی آنکھوں کے سامنے ہنستے کھیلتے موج میں تھے۔اور میرا لاکھوں بھائیوں پر بھاری ایک حسینؑ اور میں نے وہ بھی کربلا میں کھو دیا۔وہ زینب راحیل کی بیٹی تھی۔اور میں خاتونِ جنت سیدہ فاطمہؓ کی بیٹی اور محمد ﷺ کی نواسی ہوں۔۔۔۔"

"جب اپنی امی کے غم میں آنسو نکلیں ناں جہانداد تو اک پل کو سیدنا زین العابدین کے غم پر بھی رو لینا۔جن کے خاندان کی خواتین کو دمشق اور شام کے بازاروں میں بغیر چادروں کے گھمایا گیا۔یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ خواتین ہیں کس خاندان کی جن کے گھر جبرائیل بھی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتے۔وہ دو عالم کے آقا محمد ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔ارے جن کے پیروں کی دھول کا صدقہ یہ کائنات ہے۔انکے خاندان کے ساتھ اتنا ظلم۔۔۔۔

کیا اس سے بڑا غم دنیا میں کوئی اور ہوگا؟؟؟

تم ایک غم بھلانے کو ہر رات شراب کے نشے میں دھت ہو کر سوتے ہو۔۔سیدنا زین العابدینؓ نے تو یہ سب نہیں کیا۔غم کو انہوں نے برائی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان جیسا تو کوئی کہاں ہوگا۔وہ اس قدر رویا کرتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی۔لوگوں نے پوچھا حضور آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔تو آپؓ نے جواب دیا۔یعقوبؑ کا تو ایک یوسف بچھڑا تھا اور انہوں نے انکے ہجر میں رو رو کر اپنی آنکھوں کی بینائی گنوا دی۔میرے تو سارے یوسف کربلا میں بچھڑ گئے تو لوگوں میں کیوں نہ روؤں۔۔

کسی شاعر نے بڑا خوب کہا ہے

ہجر تیرا جد پانی منگے' تے میں کھوہنیاں دے گیڑاں

جی کرداتینوں سامنے بیٹھا کے تے میں درد پرانے چھیڑاں۔۔۔

"میری باتیں ہو سکتا ہے تم کو بے مقصد لگیں، مگر یہ سب وہ سوال ہیں جو میرے ذہن میں جنم لیتے ہیں، یہ سب وہ باتیں ہیں، جنکو سوچ کر مجھے اپنا غم' غم نہیں لگتا۔ایک اللہ والے کی بات سنی تھی۔جو میرے دل میں پیوست ہوگئی۔انہوں نے کہا لوگو جب تمہارے اپنے مرتے ہیں۔کیا تم نہیں روتے ہو۔تمہارا اگر جوان بیٹا تمہاری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا جائے تو غم سے تمہارا دل پھٹ جائے گا۔حسینؓ بھی ایک باپ تھے۔کیا

تم انکو اپنے جیسا بھی نہیں سمجھتے کہ انکے غم کو غم جان سکو۔۔۔ بے شک وہ بہت اعلیٰ مرتبے والے لوگ ہیں۔ چنے ہوئے لوگ ہیں۔ مگر تھے تو انسان ہی۔ دل تو انکے سینے میں بھی ہے۔ تو جب تم اپنوں کو روتے ہو۔ تو دو چار آنسو حسینؓ کے غم پر بھی بہا دیا کرو تا کہ تمہارے دل زندہ رہیں۔'' ☆

''جہانداد یہ تو بڑے اونچے مقام کی باتیں ہیں۔ جو ہر کسی کی سمجھ میں آتی بھی نہیں ہیں۔ کئی لوگ یزید مردود کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ حسینؓ کے غم کو پہچاننا تو دور وہ حسینؓ کے مرتبے کو بھی نہیں جانتے۔۔ مگر آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ ہر ایک کے گھر میں ٹیلی ویژن تو موجود ہے ناں تم بھی خبریں دیکھتے ہو گے۔ ذرا تصور کی آنکھ سے دیکھو تو سہی ایک بھرا پرا گھر' چھوٹے بچے ٹی وی چل رہا ہے۔ ماں کھانا بنا رہی ہے۔ باپ بچوں کو ہوم ورک کروا رہا ہے۔ ساتھ ہی ہنسی مذاق چل رہا ہے کوئی بیٹی ضد کر کے باپ کی گود میں چڑھ کر بیٹھتی ہے۔ یک دم کہیں سے آگ کا ایک گولا آتا ہے۔ ایک بلڈنگ میں آٹھ سات ہنستے بستے زندگی کی تصویر بنے گھر نہ جانے کہاں گئے۔ بس ہر سو دھول کے بادل رہ گئے۔ اس بچے کی حالت سوچ سکتے ہو, جو ابھی زندگی سے بھی متعارف نہیں ہوا۔ چھ سات ماہ کی عمر اور سینے پر گولی کا نشان۔۔۔ ڈیڑھ دو سال کا بچہ دو سیکنڈ پہلے ماں کی آغوش میں تھا۔ مگر اب ماں نہ جانے کہاں گئی ہے۔ بہن بھائی بے جان وجود سامنے پڑے ہیں۔۔ بلاسٹ باپ کو اڑا کر نہ جانے کتنے ٹکڑوں میں تقسیم کر گیا ہے اور وہ بچہ گرد آلود پھٹی ہوئی پیشانی معطل حواس۔۔۔ حلق کے بل چلا رہا ہے۔ کوئی ہے جو مجھے بتائے آخر میں نے کس جرم کی سزا پائی ہے۔ میرا گھر کدھر گیا۔ کوئی میری ماں کو ڈھونڈ لائے۔ تم نے کبھی شام' فلسطین' کشمیر' لیبیا' عراق' یا افغانستان سے نکلنے والی ایسی وڈیوز دیکھی ہیں۔ جن میں صرف بچے دکھائے گئے ہوں۔ میں نے دیکھی ہیں۔ لیبیا کا ایک بچہ اپنے شہید باپ کے سرہانے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا۔ بابا تم آنکھیں کیوں نہیں کھولتے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم مر گئے ہو۔۔ بابا جب تم جنت میں جاؤ تو میرے دادا کو میرا اسلام دینا۔۔ گھبرانا نہیں کیونکہ وہ جنت میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں کوئی بم نہیں گرتے بابا میں بہت جلد تمہارے پاس آؤنگا۔۔۔''

''ایک ایسی ماں کا سوچو جس کے دس سالہ بیٹے کی لاش بارود کی بو میں بسی اسکے سامنے پڑی ہے۔ اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے۔ کوئی جا کر میرے بھائیوں کو بتاؤ آج تمہاری بہن ختم ہو گئی۔ کیا کبھی برما کے بہن بھائیوں

کے غم۔ میں آنکھ نم ہوئی۔ جہاں ہماری ماؤں بہنوں کی چھاتیوں کو کاٹ کر بدوں نے کباب بنا کر کھائے۔ جہاں جوانوں کو سرِ عام۔ جلا دیا گیا۔کون اٹھا۔۔ کس نے بات کی؟؟ جہانداد اپنے لیے تو ہر کوئی رو لیتا ہے۔مزا تو تب ہے ناں جب اپنے بہن بھائیوں کے لیے رویا جائے۔ہم تو آزاد ملک کے شہری ہیں۔صبح اٹھتے ہیں۔اچھا ناشتہ کرتے ہیں۔اپنے کام دھندے پر جاتے ہیں۔ رہن سہن اچھا ہے۔دنیا کی ہر نعمت ہے۔ پھر بھی ہم خوش نہیں۔۔کیوں؟؟؟ میں بہت زیادہ بول گئی ہوں۔شاید ضرورت سے ہی زیادہ مگر پلیز میری کسی ایک بات پر غور ضرور کرنا۔۔۔''

☆......☆......☆

وہ ل مجھے چھوڑ کر جو چلے گئے سرِ راہ زرد ملال جان

وہ تمام لوگ کہاں کے تھے وہ تمام لوگ کدھر گئے

کندھے پر لٹکے بیگ کی سٹرپ کو ایک ہاتھ سے تھامے سر جھکائے ماتھے پر تیوری لیے وہ پیدل چلتی ہوئی آرہی تھی۔دو چار گز دور ہی تھی۔ جب ہوسٹل کے گیٹ کے قریب رفاقت نظر آیا۔فون کان سے لگائے ادھر ادھر بے چینی سے ٹہلتا ہوا۔

نانی ان دونوں کے ساتھ اسلام آباد میں ایک ہفتہ گزار کر واپس سعودی عرب اپنی بہن کے پاس چلی گئی تھیں۔جہانداد کے ہزار کہنے پر بھی وہ نہیں رکیں کیونکہ آخری وقت اپنی بہن کے ساتھ گزارنا چاہتی تھیں۔جو کہ عمر میں ان سے بڑی بھی تھیں اور بیمار ہی رہتی تھیں،انکے جاتے ہی عرفہ ہاسٹل آگئی،نہ کسی نے روکا نہ فون کیا نہ خود آیا،اوپر سے جو اسکے مالی حالات جا رہے تھے۔وہ بس ایسا بارود بنی پھر رہی تھی،جو کسی بھی لمحے پھٹ جاتا۔

''تم یہاں کیا کرر ہے ہو؟''

رفاقت اسکی غصے بھری آواز پر چونکا،پلٹا اور فون والا ہاتھ نیچے گرا۔

''کہاں تھیں آپ؟ صبح سے یہاں خجل خوار ہو رہا ہوں۔فون آپکا بند ہے،آپکی دوستوں تک کو خبر نہیں کہ آپ کہاں ملیں گی۔''

''کیوں تمہیں اچانک میری کیا ضرورت پڑ گئی۔جو یوں کنویں میں بانس ڈال رہے تھے۔''

''آپ مجھے ایک بات بتائیں اگر ان کو چھوڑ کر ہی آنا تھا۔ تو دو دن کے لیے انکی زندگی میں آئی ہی کیوں تھیں؟ وہ ایسے لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہیں۔ جو جتا کر کہہ سکیں کہ میری زندگی میں تمہاری ضرورت ہے۔ اسلیئے مجھے چھوڑ کر کہیں مت جاؤ۔ آپ کو تو اندازہ بھی نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔''

رفاقت کے ٹوٹے ہوئے لہجے پر اسکا دل ڈول گیا۔ بیتابی سے پوچھا۔

''وہ کدھر ہے، خیریت سے تو ہے، خدا کے لیے یہ نہ کہہ دینا کہ میرے ہجر میں اس نے جوگ لے لیا۔ گریبان پھاڑ کر جنگلوں کو نکل گیا ہے۔''

''وہ پچھلے دو دن سے حوالات میں بند ہیں۔''

''کیا بک رہے ہو، وہ وہاں کیا لینے جائے گا۔''

''وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ مجتبٰی صاحب کے بیٹے نے جوا ہارنے پر غصے میں آ کر اپنے دوست کو گولی مار دی ہے۔ جو موقع پر جاں بحق ہو گیا۔ اب ان مکار ماں بیٹے نے بھائی کے سامنے رو دھو کر ڈرامہ کیا ہے۔ عدیل نے اتنی شاندار ایکٹنگ کی ہے کہ جہانداد صاحب اسکا الزام اپنے سر لیکر پولیس سٹیشن پیش ہو گئے ہیں اور وہ لوگ اپنے گھر بیٹھے جشن منا رہے ہیں۔''

''اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہے ہو؟ پہلے کہاں مرے ہوئے تھے؟؟''

عرفہ نے اسکو ایک جڑنے سے اپنے ہاتھ کو بڑی مشکل سے کنٹرول کیا۔

''میں ان کے خلاف پرچہ رکوانے کے چکر میں بھاگتا رہا ہوں، ان کی منت سماجت کرتا رہا ہوں، واسطے دیئے ہیں کہ ایسا نہ کریں۔ وہ سن ہی نہیں رہے، کہتے ہیں مجھے رونے والا کون ہے، پر چچا کے بیٹے کو سزا ہوئی تو وہ جیتے جی مر جائیں گے۔ میں آپ کی پاس اسی لیے آیا ہوں۔ ان کو روکیں، یہ سراسر خودکشی ہے۔''

عرفہ کو اب جہانداد کی بات سمجھ آئی تھی۔ اس نے سچ کہا تھا کہ رشتے آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑتے، وہ اس وقت جو تکلیف سینے میں محسوس کر رہی تھی، وہ بالکل نئی تھی، جہانداد سے شادی میں محبت کا دخل نہیں تھا۔ مگر اس وقت تکلیف صرف دل کو ہو رہی تھی۔ اس نے ایک ویران نظر اپنے اردگرد پر ڈالی شام ڈھل چکی تھی۔ سٹریٹ لیمپس کی زرد روشنی گاڑیوں کی روشنیاں، شور، ہارن، ساری دنیا ویسے کی ویسی ہی تھی۔ اک بدلا تھا۔ تو اسکا

دل۔۔۔گہرے گہرے سانس کھینچتے ہوئے ،آنکھوں کو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے رگڑ کر مسلا اور صاف کیا۔ہلکی سی نمی ہاتھ پر رہ گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔مجتبیٰ انکل نے بھی اسکو ایسا کرنے سے نہیں روکا؟''

''یہی تو مسئلہ ہے۔انکو اس حادثے کا علم ہی نہیں۔وہ ملک سے باہر ہیں۔انکا سیکریٹری انکار کر چکا ہے کہ بیگم صاحبہ کا حکم ہے صاحب کو ایسی ویسی کوئی خبر دیکر پریشان نہ کیا جائے۔وہ کئی کئی ماہ تک غائب ہو جاتے ہیں۔ انکا کوئی نمبر میرے پاس نہیں۔میری سمجھ سے باہر ہے میں کیا کروں۔''

''چلو میرے ساتھ مجھے فردوس بیگم کے گھر لے کر چلو۔۔۔''

''آپ وہاں جا کر کیا کریں گی۔وہ خواہ مخواہ میں آپ کو ڈی گریڈ کریں گی،رہنے دیں۔''

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔مجھے لیکر چلو۔''

وہ کندھے اچکا کر آگے بڑھا اور گاڑی کا پچھلا دروازہ اسکے لیے کھول دیا۔

چوکیدار نے انکے لیے دروازہ کھولا وہ جس وقت بغیر اندر اطلاع بھجوائے اندر گئی۔سیٹنگ روم میں وہ لوگ سکون سے بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

''تم نے دیکھا میں نے کیسے اس سانپ کو رستے سے ہٹایا ہے۔میں نے آج تک جتنی بھی کوشش کی پر مجتبیٰ کی نظروں میں اسکو گرا نہیں پائی۔مگر اب دیکھنا جب کاروبار میں سے ایک خطیر رقم غائب پائی جائے گی۔ساتھ ہی بھتیجا قتل کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے نظر آئے گا تو مجتبیٰ اسکے منہ پر تھوکے گا بھی نہیں۔خاص کر جب یہ معلوم ہوگا کہ جوئے کے اڈے سے پکڑا گیا تھا۔پر عدیل تمہیں بہت زیادہ احتیاط کرنی پڑے گی۔کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر چلے جاؤ کم از کم جب تک یہ کیس نہیں نمٹ جاتا۔پیچھے میں مخالف پارٹی کو اتنا پیسہ دونگی کہ انکی سات پشتوں نے نہ دیکھا ہوگا۔صرف اس لیے کہ وہ اچھا مہنگا وکیل کر کے اس لڑکے کو کم از کم عمر قید تو دلوا ہی دیں۔۔''

کمرے میں ثانیہ کے علاوہ تینوں لوگ موجود تھے۔ایک صوفے پر فردوس اور بیٹا جبکہ دوسرے پر انکی چھوٹی بیٹی بیٹھی لاپرواہی سے چیونگم چبا رہی تھی۔فردوس بیگم کے چہرے پر بڑی فتح مند مسکراہٹ تھی جو عرفہ کا دل جلا کر

راکھ کر گئی۔

''بہت خوب میڈم جی بہت خوب۔۔۔۔!!!وہ دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتی ہوئی اندر آئی۔

''دنیا کی کوئی دس چڑیلیں مری ہونگی تو ایک تم پیدا ہوئی ہوگی۔دنیا میں تو ایسی سازشیں کر کے اپنی مراد پا لوگی۔کبھی سوچا ہے۔کل کو اللہ کے سامنے کیا کروگی۔ایک یتیم بچے پر کبھی رحم نہ آیا اور وہ دیکھو تمہارے ہی بیٹے کو بچانے کے لیے اپنا آپ پیش کر رہا ہے۔تم اسکے اس دل کا کوئی مول ڈھونڈ سکتی ہو؟۔مگر میں اسکو ایسا کرنے نہیں دونگی۔تمہاری ساری باتیں میں نے اپنے فون میں ریکارڈ کرلی ہیں۔پولیس کو تو علم ہونا ہی ہے۔تمہارے شوہر کو بھی تمہارا اصل دیکھنے کو ملے گا۔ویسے یقین نہیں آتا کہ تم لوگ مجتبیٰ سر کے گھر والے ہو۔اولاد بھی ساری تم پر ہی گئی ہے۔ورنہ مجتبیٰ سر تو بڑے سلجھے ہوئے،شفیق اور ہمدرد دل انسان ہیں۔تم جیسے سفاک دل لوگ ان سے میچ نہیں کھاتے۔۔۔''

وہ چلتی ہوئی انکے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔مگر وہ بھول گئی تھی سامنے والی کیا ہے۔

فردوس بیگم تیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی اور اس سے پہلے کہ عرفہ کچھ سمجھ پاتی وہ اسکا چہرہ تھپڑوں سے لال کر گئی۔

''تم دو ٹکے کا گندہ خون میرے ہی گھر میں کھڑی ہو کر مجھے ہی بھاشن دے رہی ہو۔تم پر تو پہلے ہی مجھے بڑا غصہ تھا۔تمہاری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کو کھلوا دونگی۔۔''

وہ اسکے بالوں کو ہاتھ میں جکڑے پھنکار رہی تھیں۔جبکہ انکے ساتھ کھڑا عدیل خباثت سے مسکرایا۔

''ممی ویسے گھر آئی نعمت کو یوں نہیں ٹھکراتے۔خاص کر جب وہ آئی بھی خود اپنے پیروں پر چل کر ہو۔بچاری کا شوہر تو پہلے بھی منہ نہیں لگاتا تھا۔اب تو ویسے بھی وہ گیا۔یہ اپنی پہاڑ سی جوانی کیسے گزارے گی۔پر فکر نہ کرو سو کال بھابھی جی میں ہوں ناں۔چلو جہاندادسا نیک دل خوش شکل نہ سہی پر ہوں تو مرد ہی۔کیا خیال ہے ؟؟۔۔''

وہ بے ہودگی سے قہقہے لگاتا اسکی جانب بڑھا ہی تھا۔جب ایک دم پیچھے سے لگنے والی کِک کی وجہ سے منہ کے بل عرفہ کے سامنے گرا۔

عرفہ کے بال ابھی بھی فردوس کے ہاتھ میں تھے۔مگر جہانداد کو وہاں دیکھ کر ہی اسکے چھکے چھوٹ گئے۔اس پر اسکا جنونی انداز وہ آنکھوں میں خون لیے لب بھینچے بڑھی ہوئی داڑھی' بالوں میں آج نہ کوئی پونی تھی نہ ہی ہیر کیچ۔عدیل کو روئی کی طرح اچھالتا یہاں سے وہاں پھینک رہا تھا۔لگاتار اسکے جبڑے پر مکے مار مار کر اسکا چہرہ گیند جیسے بنا دیا۔

کمرے میں فردوس اور اسکی بیٹی کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ جو سننے والے بہت تھے۔مگر مدد کو آنے والا کوئی نہیں تھا۔عدیل کے منہ اور ناک سے خون نکل رہا تھا۔

''بے غیرت کتے میں تجھے اپنا بھائی سمجھتا رہا۔تیرے لیے اپنی جان تک دینے پر تیار تھا اور تو کیا نکلا؟؟ گند کا ڈھیر؟؟ میری ہی عزت پر گندی نظر ڈال رہا ہے۔میں تیری آنکھیں نہ نوچ لوں۔''

ایک زور کی کک اسکے پیٹ میں ماری جس پر عدیل کا وجود تکلیف سے تڑپ گیا۔اسکو گریبان سے پکڑ کر اونچا کرتے ہوئے اسکے چہرے کے سامنے اپنا چہرہ رکھ کر بڑے مضبوط اور تحمل بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

''کیا سمجھ کر تو نے میری بیوی کے ساتھ یہ ساری بکواس کی ہے۔ جہاں تک وار میری ذات پر ہوتا رہا، میں خاموشی سے سہہ گیا، مگر کوئی میرے سے وابستہ رشتے کو میلی آنکھ سے بھی دیکھے گا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑونگا۔ میں پوری نیک نیتی سے تیری ماں کو تیرے غم سے بچانے کے لیے گیا تھا، پر اللہ کا قانون دیکھو کہ وہ ظالموں کی رسی دراز ضرور کرتا ہے۔مگر صرف ایک مدت کے لیے۔پھر ہمیں اپنے کیئے کی سزا بھگتنی ہی پڑتی ہے۔''

اس کو چھوڑ کر پیچھے کو گراتے ہوئے وہ شاک کھڑی فردوس کی جانب مڑا۔

جو بیٹی سے لپٹی کھڑی تھی، چہرے پر خوف تھا۔

''بہت مبارک ہو چچی پولیس کے ہاتھ واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج لگ گئی ہے۔جس میں آپکا ہونہار سپوت دوسرے عام آدمی پر اپنا پسٹل تان کر کھڑا سارا میگزین خالی کر رہا ہے، انہیں وہ پسٹل بھی مل گیا ہے، جو یہ اپنی بد حواسی میں وہیں عمارت کے باہر پھینک آیا تھا، اسکا لائسنس بھی اسی کے نام ہے، آج آپکا سینہ واقعی فخر سے اونچا ہونا چاہیے، آپکے بیٹے نے آپ سے بھی زیادہ ترقی کی ہے۔آپ لوگوں کی چمڑی ادھیڑتیں اور جلاتی تھیں، وہ سیدھا بندے بھونتا ہے، پھر بھی جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا۔میں نے آپکو معاف کیا۔پر جو آپ نے میری

بیوی کے ساتھ کیا۔اسکو معاف نہیں کیا، بلکہ آپ کے بیٹے سے بدلا لے لیا۔ میں اتنا کم ظرف بھی نہیں ہوں کہ آپ پر ہاتھ اٹھاتا اللہ حافظ۔۔۔‘‘

اس نے چپ چاپ کھڑی عرفہ کا ہاتھ نرمی سے اپنی گرفت میں لیا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

گاڑی کے قریب رفاقت کو موٹی سی گالی دیکر ڈانٹا۔

’’تم نے اسے اکیلے اندر کیوں جانے دیا، خود ساتھ جاتے ہوئے موت پڑتی تھی؟؟؟‘‘

رفاقت نے ایک نظر غصے سے بھرے ہوئے جہانداد کو دیکھا، پھر عرفہ پر نظر ڈالی تو اپنی غلطی کا اندازہ ہوا۔

وہ سر جھکائے کانپ رہی تھی۔

جہانداد نے اسکے دونوں ہاتھ پکڑے دھیرے سے اسکے بالوں کی بکھری لٹوں کو ترتیب دیا، سر تھوڑا سا اونچا کر کے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

’’زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟‘‘

اس کو چوٹ واقعی نہیں آئی تھی۔ اسلیے نفی کر دی۔

’’تم کیا سوچ کر یہ سب کرنے چلے تھے؟؟ کیا اس آدمی کا تم پر مجھ سے زیادہ حق تھا۔ میرا سارا سامان تمہارے گھر پڑا ہوا ہے۔ پورا مہینہ ہو گیا۔ اس عورت نے میرا بنک اکاؤنٹ فریز کروا دیا ہوا ہے۔ کوئی دس جگہ انٹرویو دے کر اپنی قابلیت کی بناء پر نوکری سے لگتی ہوں، مگر اس عورت نے ہر جگہ فون کر کے مجھے کام سے نکلوایا ہے اور اس سب میں قصور تمہارا ہے۔ تمہارا فرض بنتا تھا کہ میری خبر رکھتے۔ تم میرا واحد رشتہ ہو۔ میں نے ہر رات انتظار کیا کہ تم آؤ گے پر تم نہیں آئے۔‘‘

اس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ عرفہ کے گالوں پر بوسہ دیا۔ پھر اپنے آپ میں چھپا لیا۔

’’میں بہت برا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔۔"

☆......☆......☆

فردوس کے وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔ وحشت زدہ تاثرات کے ساتھ عدیل پر جھکیں۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔۔۔

''ممی خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ میں جیل نہیں جانا چاہتا۔ اللہ کا واسطہ ممی مجھے کہیں چھپادیں۔ جیسے ہمیشہ مجھے میری کوتاہیوں پر بچاتی رہی ہیں۔ آج بھی بچالیں۔ ممی آپکا بیٹا مرنا نہیں چاہتا۔ ثانیہ زاروقطار رو رہی تھی۔ ثانیہ جو کہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ تب ہی اندر آئی۔ مگر اسکے پیچھے پولیس والے بھی تھے۔

''ممی آپ نے آج اپنے بیٹے کو بھی اپنے ہی ہاتھوں دفن کردیا۔ کسی کی نفرت میں ہمیں ہی سارے نقصان پہنچادیئے۔''

ثانیہ کی بھرائی ہوئی آواز میں لگنے والے الزام پر فردوس بیگم نے کانپ کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا بول رہی ہو ثانی دیکھ نہیں رہی ہو۔ بھائی کی حالت جاؤ جلدی ڈاکٹر کو فون کرو اپنے پاپا کو فون کرو اسکو بولو جہاں بھی ہے۔ جلدی آئے۔۔ دیکھو تو اس جہانداد نے میرے چاند کی کیا حالت کردی۔''

مگر اسکی ساری دہائی کی پرواہ کیئے بغیر پولیس والے عدیل کو اٹھا کر لے گئے۔ فردوس روتی رہی۔ منتیں کرتی رہی پر سنوائی نہ ہوئی۔

ثانیہ نے موبائل ماں کی جانب بڑھایا۔

''ممی لیں بات کریں لائن پر پاپا ہیں۔''

''ہاں دو تو میں اسکو بتاؤں ہمارے ساتھ کیا ظلم ہوگیا اور وہ نہ جانے دنیا کے کس کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔''

''ہیلو۔۔۔ مجتبیٰ پولیس ہمارے بیٹے کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ پلیز کسی طرح اسکو بچاؤ تم فوراً واپس آجاؤ تم نہیں جانتے جہانداد نے اسکو ٹریپ کیا ہے، ابھی اسکو بہت مار کر گیا ہے۔''

''کم از کم آج تو سچ بول دو فردوس آج تمہارے پاس بچا ہی کیا ہے؟؟''

مجتبیٰ کی بکھری ہوئی آواز پر وہ دھک رہ گئیں۔

''کیا کہہ رہے ہو مجتبیٰ ؟؟''

''میں ہار گیا فردوس تم اور تمہاری نفرت جیت گئے۔ تم نے آج تک اپنے بیٹے کی ہر نادانی ہر غلطی پر پردہ ڈالا ہے۔ اسکو کبھی یہ احساس نہیں دلوایا کہ وہ کن غلط راہوں کا مسافر بن رہا ہے۔ تمہیں تو اپنے بیٹے پر بڑا فخر تھا ناں تو آج رو کیوں رہی ہو؟؟۔ اور پلیز جہانداد کے بارے میں آج کے بعد زہر اگلنا بند کردو ورنہ میں اس بڑھاپے

میں تمہیں آزاد کر دونگا۔تمہارے اکاؤنٹ میں اندھا پیسا ہے کرو وکیل اور لڑوا اپنے بیٹے کا کیس۔۔ میں اپنی بیٹیوں کو اپنے پاس کینڈا بلوا رہا ہوں۔تم ماں بیٹے نے جو کچھ بویا ہے۔کاٹنا ہم سب کو پڑ رہا ہے۔"

ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔

فردوس بیگم جنکو آج تک نہ کوئی ہرا پایا نہ ہی بال بیکا کر سکا وہ کسی بے جان وجود کی طرح ایک طرف کو لڑھک گئیں۔کھیل ختم ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

دوسری بار بھی ہوتی تو، تمہی سے ہوتی

میں جو بالفرض محبت کو دوبارہ کرتا

وہ گاڑی کے پچھلے دروازے سے نکلا۔فون کان سے لگا ہوا تھا۔دوسرے دروازے سے ثانیہ برآمد ہوئی تھی۔دونوں نے آنکھوں پر کالی عینک لگا رکھی تھی۔دونوں کا رخ اندر کی جانب تھا۔

ثانیہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔جبکہ وہ فون پر کسی سے بات کرتا سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔کمرہ خالی تھا۔انہیں پیروں پر واپس آیا۔ہال بھی خالی۔۔۔اس نے تھوڑی دیر بعد کال کرنے کا بول کر فون بند کر دیا۔اور وہیں ہال میں کھڑے ہو کر اونچی آواز میں پکارا۔

"مائی ثریا تمہاری بی بی کدھر ہیں؟؟"

مائی ثریا سے پہلے ثانیہ کچن سے ایک ٹرے سمیت برآمد ہوئی رخ سیڑھیوں کی جانب تھا۔مگر اک پل کو اسکے قریب رکی۔

"آپکی بیگم صاحبہ چھت پہ پائی جا رہی ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

وہ آگے کو بڑھتی ہوئی بولی۔۔

"کیونکہ میرے فون پر میسج آیا تھا کہ ثانی ڈیر جب گھر آؤ کچن سے گاجر کا حلوہ اور دودھ کا اک گلاس چھت پر لیتی آنا۔"

جہانداد نے ماتھا مسلتے ہوئے سرنفی میں ہلایا، دوسرے پل لمبے لمبے ڈگ بھرتا ثانیہ کو پیچھے چھوڑ کر ایک بار میں دو دو تین تین سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر آیا۔

سردیوں کی دھوپ میں کچے پیلے رنگ کا گرم سوٹ پیرو میں انگوٹھے والی چپل جو صرف دھوپ میں ہی پہنی جاتی ویسے تو پیر ٹھٹھرتے۔

جہانداد کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ بیگم صاحبہ اپنے گیند جیسے گول مٹول وجود کی پرواہ کیے بغیر پتنگ بازی کر رہی تھیں۔

''تو اس لیے مجھے آفس دفعہ ہو جانے کو زور دیتی ہو تا کہ پیچھے سے یہ حرکتیں کرتی پھرو۔۔''

وہ جو اپنے دھیان میں کھڑی تھی۔ یک دم اپنے اتنے قریب اسکی آواز سن کر اچھل پڑی۔

''ہائے میرے اللہ۔۔۔۔ جان تم نے میری جان ہی نکال دی۔''

اس کی اک لمحے کو ڈری ہوئی شکل دیکھ کر جہانداد نے بڑی مشکل اپنی ہنسی چھپائی، آگے بڑھ کر اسکا وجود اپنی بانہوں میں بھرا، حسب عادت ماتھے پہ پیار کیا، پھر اسکے پتنگ سپلائر مائی ثریا کے بہلو کی جانب مڑا۔

''بہلو اب اگر تم۔ نے اس عورت کو پتنگ اور ڈور لا کر دی ناں تو الٹا کر کے جوتے مارونگا۔''

بہلو بھی اپنے نام۔ کا ایک ہی تھا، منہ پھلا کر بولا۔

''صاحب جی اپنی بیوی کو بھی منع کر لیں۔ مجھے ہر دفعہ میسج کرتی ہیں۔ بہلو صاحب چلے گئے ہیں۔ جلدی سے پتنگ اور ڈور لے آؤ پانچ سو روپیہ انعام دونگی اور اگر نہ آئے تو یاد رکھنا الٹا لٹکا کر جوتے مارونگی، میری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ بات مانوں تب بھی جوتے نہ مانوں تب بھی جوتے۔۔۔''

بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

''تم مجھے اتنا تنگ کیوں کرتی ہو؟؟''

''اب میں نے کیا کر دیا ہے؟؟''

معصومیت سی معصومیت تھی۔

وہ اس سے کچھ دور ہو کر اسکو گھورنے لگا۔

''خدا کا نام ہے۔ گنتی کے چند دن رہ گئے ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہ سکون سے گزار لو بس۔ آگے میرے باپ کی بھی توبہ جو میں نے دوبارہ اس کام میں پڑنے کا سوچا بھی۔''

''کیا مطلب ایک اور شادی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔''

''میں بچہ پیدا کرنے کی بات کرر ہا ہوں، شادی تو ایک ہی بھگت لوں، بہت ہے۔''

ثانیہ اوپر آ چکی تھی، عرفہ نے اپنی سیٹ سنبھالی اور اسکی خبر لی۔

''جب میں نے میسج کیا تھا تو بتا نہیں سکتی تھیں کہ مسٹر آور پر ٹیکٹیڈ بھی تمہارے ساتھ ہی آرہے ہیں، اب یہ آدمی اگلے دس دن مجھے کمرہ اریسٹ کر دے گا۔''

ثانیہ نے دودھ کا گلاس اور ایک حلوے کی پیالی اسکی جانب بڑھائی۔ ایک پیالی جہانداد کو دی جسے پکڑ کر اس نے سامنے میز پر رکھ دیا خود منہ پھلا کر ایک کرسی پر ٹک گیا۔

ثانیہ نے اپنے حصے کا حلوہ اٹھایا اور نیچے فلور کشن پر ٹک گئی۔

''جو کچھ جہانداد کہہ رہا ہے، میں اس کیساتھ ہوں، کیونکہ جب سے چکر آنے کی وجہ سے تم باہر لان میں گر گئی تھیں۔ میرا اپنا دل بہت ڈرا ہوا ہے تو پلیز یہ چار دن احتیاط کر لو۔''

''تم دونوں کے لیے مشورے دینا بڑا آسان ہے، بیٹھو ناں ذرا ایک دن گھر پر سارا دن ٹی وی کے سامنے پھر پوچھوں، ایک جگہ بیٹھ بیٹھ کر میرا وزن دیکھ رہی ہو کتنا بڑھ گیا ہے۔ اچھا مجھے تم لوگوں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کیس کا کیا بنا؟؟''

ثانیہ حلوہ کھاتے ہوئے بتانے لگی۔

''کچھ خاص نہیں اگلی پیشی پڑی ہے۔ مخالف پارٹی تین کروڑ قصاص پر ماننے کو تیار ہوئی ہے۔ دیکھو اب آگے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ ابھی تک تو سب ٹھیک ہے۔ میں اب چلتی ہوں۔''

''کہاں چلتی ہوں۔ میں نے موویز منگوائی ہوئی ہیں۔ وہ کون میرے ساتھ دیکھے گا؟؟''

''یہ ہے ناں تمہارا لٹو میاں یہ دیکھے گا۔ اصل میں رک تو جاتی پر تانیہ کا کل پیپر ہے اور کل امی کی ڈاکٹر کے ساتھ اپوائنٹمنٹ ہے تو سوچ رہی ہوں آج نرس کے ساتھ مل کر انکو ہاتھ دلوا دوں۔ ہفتے میں دو دفعہ ہاتھ نہ دوں تو

ان سے سمیل آنے لگتی ہے۔انہوں نے کونسا خود سے ہاتھ پیر بھی ہلا لینے ہوتے ہیں۔''

''اچھا چلو کوئی نہیں، میں بھی کسی دن چکر لگا وُنگی''

''او کے اللہ حافظ۔۔''

ثانیہ کے جانے کے بعد عرفہ نے اسکی جانب غور کیا جو کرسی سے ٹیک لگائے دوسری کرسی پر ٹانگیں پھیلائے نیم دراز تھا۔سر پیچھے کو پھینکے آنکھوں پر چشمہ لگا یہ پتا نہیں چل رہا تھا۔آنکھیں موندے پڑا ہے یا کھولے۔

''کیا سو گئے ہو؟؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔

''کیا تھک گئے ہو؟؟''

اس نے پھر نفی کی۔

''کیا میں بہت زیادہ تنگ کرتی ہوں۔''

اب کی بار گردن اثبات میں ہلی۔۔۔

''ابھی سے یہ حال ہے تو بعد میں کیا بنے گا جب تمہیں نیپیاں بدلنی پڑیں گی۔''

اس نے اک لمحے کو تڑپ کر سر اٹھایا۔

''یہ کام میں ہرگز نہیں کرونگا، مائی ثریا کس لیے ہیں، تب تک نانی بھی آجائینگی۔۔''

''ہرگز بھی نہیں جتنے تم مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔دو مہینے ہو گئے شاپنگ پر بھی نہیں جانے دیا۔بعد میں سارے بدلے لونگی۔پھر تم گھر پر بچہ سنبھالو گے اور میں گھوموں پھرونگی۔''

وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''میں پہلے ہی بہت ڈرا ہوا ہوں۔۔مجھے مزید نہ ڈراؤ۔۔۔''

عرفہ اسکی شکل پر ہنستی چلی گئی۔

☆......☆......☆

یہ سب آسان نہیں تھا۔مگر جب عدیل نے ندامت سے روتے ہوئے اسکے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تو

جہانداد کو اپنا دل کشادہ کرنا پڑا۔ کیونکہ جو اپنے لیے اللہ کی بارگاہ سے معافی کے امیدوار ہوتے ہیں۔ وہی دوسروں کو معاف کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ چچی کو سٹروک ہوا تھا۔ جس نے انہیں بالکل پیرالائیز کر دیا تھا۔ ان کو ہاتھ بھی اٹھانے کے لیے مدد درکار ہوتی تھی۔ زبان بھی بند ہوگئی تھی۔ بیٹے کے غم نے توڑ دیا۔ مجتبیٰ واپس آئے اور ساری صورتحال سنبھال چکے تھے۔ ثانیہ کی منگنی انکے دوست کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ بہت جلد شادی کر دینے کا ارادہ تھا۔ جہانداد کی کوششوں سے عدیل کی رہائی کی امید تو لگی تھی۔ آگے جو اللہ کو منظور ہوتا۔

میں نے دیکھا سورج میرے دروازے پر کھڑا دستک دے رہا تھا۔ میرے اندر اندھیرا تھا۔ اور دل کی دہلیز پر روشنی کا یہ بڑا انبار مجھے بس اتنا کرنا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا تھا، میں نے دروازہ کھولا اور آفتاب کی روشنی سے میرے اندر کا ہر ہر تاریک گوشہ روشن ہو گیا، میرا اندر باہر روشنی سے نہا گیا۔

☆......☆......☆

گائینی وارڈ کے ایک پرائیویٹ کمرے کا منظر تھا۔ جہاں تازہ پھولوں کے کئی گلدستے خوشبو بکھیر رہے تھے۔ بچے کی پیدائش پر مبارکباد کے کارڈ کھڑکی میں سجے تھے۔ کچھ بیگز میں ایک نومولود بچے کی استعمال کی چیزیں تھیں۔ ابھی چند منٹ پہلے اس کمرے میں آوازوں کا شور تھا۔ چچا، ثانیہ، تانیہ، اپنے گھر سے سارے ملازم نانی مائی ثریا اور رفاقت کیسے پیچھے رہ سکتا تھا۔

مگر اب وہ اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ اکیلا تھا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد چلتا ہوا بے بی کاٹ کے قریب آیا۔ صبح سے اب تک وہ کتنی دفعہ بے یقینی سے اپنی بیٹی کو دیکھ چکا تھا۔ گلابی نرم کمبل میں لپٹی وہ گلابی گلابی گالوں والی گڑیا اسکی بیٹی تھی۔ جہانداد مرتضیٰ کی بیٹی۔ جھک کر اسکے سرخ ہونٹوں پر پیار کی جواب میں اس نے ہونٹ ذرا باہر نکالے پھر نارمل ہوگئی۔

وہ اتنا تھکی ہوئی تھی کہ آنکھیں کھلی رکھنا محال ہو گیا تھا، اسلیئے سو گئی۔

''جان پلیز میرے سیل سے میری ساری دوستوں کو بے بی کی تصویر بھیج دو۔۔''

''بالکل بھی نہیں۔۔''

''ارے کیوں؟؟''

''نانی منع کر کے گئی ہیں، انکے خیال میں بچے کو نظر لگ جاتی ہے۔''

''کوئی نظر نہیں لگتی اور ویسے بھی وہ میری فیملی ہیں۔آشیانے کے سارے بچے انتظار کر رہے ہونگے۔کتنا روڈ لگے گا اگر میں تصویر تک نہ بھیجوں۔تم فون مجھے دے دو میں خود ہی بھیج دیتی ہوں۔''

''ڈیر بیوی یہ بھی ممکن نہیں نانی نے کہا ہے، کم از کم تیس دن تک تم اپنے فون پر ٹپ ٹپ نہیں کرو گی۔''

''اف اللہ جہانداد ایک تم کم تو نہیں تھے، اب نانی بھی شروع ہو گئیں۔''

وہ کھل کر ہنسا۔۔

''عرفہ۔۔۔''

''ہوں۔۔۔''

''تمہیں یاد ہے۔بہت عرصہ پہلے تم نے مجھ سے دو شرائط منوائی تھیں۔''

وہ سوئی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم نے قبول کرنے کے باوجود شرائط پوری نہیں کی تھیں"۔

''ہاں ناں تم جانتی تو ہو جھوٹے ڈرامے میرے سے نہیں ہوتے، اسلیئے آج دل سے وہ شرط پوری کر رہا ہوں۔۔آنکھیں کھولو۔۔

عرفہ نے آنکھیں کھولیں تو سامنے کچھ نظر نہ آیا۔پھر نظر موڑی تو وہ پرپوز کرنے والے پوز میں زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔

عرفہ کے دل کی دھڑکن تھمی۔سفید کھدر کے شلوار سوٹ پر کالا سویٹر پہنے آدھے فوجی کٹ اور آدھے گھنے جنگل جیسے بالوں کو آج بھی ہیر کیچ میں قید کر رکھا تھا۔عرفہ جب اسکو دیکھتی تھی، تو اسکا دل آنکھوں میں آجاتا تھا۔

''عرفہ جہانداد۔۔۔تم آج سے پہلے میرے لیے دنیا کی حسین ترین عورت تھیں۔پر اب میری بیٹی آگئی ہے، جو باوجود اسکے کہ اس وقت ایک گول گپا ہی لگ رہی ہے پر بڑی کیوٹ ہے۔پہلے میں رات کو کئی دفعہ اٹھ کر تمہارا چہرہ دیکھ کر خود کو یقین دلایا کرتا ہوں۔تم میری ہو، میرے پاس ہو، اب مجھے لگتا ہے، اپنی بیٹی کا تو سایہ ہی بن کر رہوں گا۔''

''میں تم سے بہت عرصہ سے کہنا چاہتا تھا۔مگر کہا نہیں پر آج کہنا چاہتا ہوں۔''

''عرفہ تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے پسند کیا۔''

''عرفہ تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھ سے شادی کی۔''

''عرفہ تمہارا شکریہ مجھے جیسا ہوں ویسے کی بنیاد پر قبول کرنے کے لیے۔''

''تم میری زندگی میں ایک ایسا در ہو جس نے میری سوچ، میری زندگی، میرے حالات، سبھی بدل دیے ہیں۔میں تم سے بڑی محبت کرتا ہوں عرفہ۔۔''

عرفہ کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔جہانداد نے اسکی انگلی میں وہی رنگ ڈالی جسکی فرمائش ہوئی تھی۔

''روتے روتے وہ بولی۔

''میری جان میری دوسری فرمائش کب پوری کرو گے۔''

''اچھا اب زیادہ شوخی نہ ہو ڈانس میں کبھی نہیں کرونگا۔''

عرفہ نے ہنستے ہوئے اپنے شاندار شخصیت کے مالک شوہر کو دیکھا۔جو پھر سے بے بی کاٹ کی جانب جا رہا تھا۔

دو آدھے ادھورے لوگوں کی مکمل کہانی کی ناؤ یونہی خوشیوں کی راوی میں بغیر ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی۔۔۔

